ایران نوین

iran-e-novin

• ماہنامہ ایران نوین • خصوصی نمبر حضرت امام رضاؑ • اگست ۲۰۱۵ء

خصوصی نمبر
حضرت امام رضاؑ

رہبر معظم انقلاب کا تاریخی پیغام
امام رضاؑ کی حیات طیبہ کے بارے میں

امامت کے آٹھویں تاجدار اور روشن ستارہ

سید جواد جعفری

امام رضا(ع) کے بین الاقوامی فسٹیول کے جنرل ڈائریکٹر

امام رضا(ع) کا بین الاقوامی فسٹیول، ہر سال وزارت برائے ثقافت اور اسلامی ارشاد کے ذریعے قومی اور بین الاقوامی سطح پر حضرت علی بن موسی الرضا(ع) اور حضرت معصومہ فاطمہ(س) کی یوم ولادت کی مناسبت سے نیز حضرت شاہ چراغ(ع) کی یاد میں عشرہ ء کرامت کے موقعے پر منایا جاتا ہے۔فسٹیول کی اہمیت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب اس میں مختلف ملکوں کے عالمانِ دین، محققین، فن کاروں اور دانشوروں کی انمول اور بیش بہا تخلیقات و تصنیفات رضوی ثقافت و معارف متعارف کروانے کی غرض سے پیش کی جاتی ہیں۔فسٹیول کو مختلف حکومتی اداروں، محکموں اور اسلامی پارلیمنٹ کی ثقافتی کمیشن کے علاوہ علمی اور مذہبی مدرسوں کے علماء کی رہنمائی اور سرپرستی حاصل ہے۔

الف) موضوعاتی پروگرام: فسٹیول کے لیے پیش ہونے والے تمام علمی، تحقیقی، ثقافتی، ہنری، صحافتی اور میڈیایی پروگرام قومی اور صوبائی وزارت برائے ثقافت اور اسلامی ارشاد کے عام اعلان کے ذریعے مختلف ذیلی شعبوں کی شکل میں اکٹھے کیے جاتے ہیں ۔

ب) بین الاقوامی شعبہ: یہ شعبہ وزارت برائے ثقافت اور اسلامی ارشاد کی نگرانی میں بین الاقوامی سطح پر جامعہ المصطفیٰ العالمیہ، اہل البیت کا بین الاقوامی مجمع اور باہر ملک میں موجود مدرسوں کی معاونت سے نامور دینی و مذہبی عالموں، محققوں، دانشوروں کی بھرپور صلاحیتوں اور توانائیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا کردار ادا کرتا ہے۔

ج) عمومی پروگرام: امام رضا(ع) کا بین الاقوامی فسٹیول کے عمومی پروگرام، عشرہء کرامت میں عوامی سطح پر مختلف دہاتوں، شہروں کے مساجد اور محلوں میں میلوں کی صورت میں تیس کے قریب ثقافتی اداروں کی معاونت سے منائے جاتے ہیں۔

د) بقاع متبرکہ اور امام زادوں کی تکریم: عشرہ ء کرامت کی پانچویں ذی القعدہ کو محکمہ ء اوقاف اور فلاحی امور کے توسط سے پورے ملک میں تمام بقاع متبرکہ اور امام زادوں کی تکریم صوبائی سطح پر کی جاتی ہے اور بین الاقوامی سطح پر سمیناروں اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

ہ) امام رضا(ع) کی قدمگاہوں کی تکریم: وطنِ عزیز میں امام رضا(ع) کے وارد ہونے کی یاد میں عوام کی طرف سے شلمچہ شہر سے لے کر شہرِ مرو تک جہاں جہاں سے امام رضا(ع) گزرے ہیں، مختلف جشن منائے جاتے ہیں جن میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔

و) رضوی ثقافت کا ہفتہ وار پروگرام: عشرہ ء کرامت کے علاوہ سال بھر میں مختلف اداروں کی معاونت سے رضوی ثقافت اور امام رضا(ع) کی تعلیمات عام کرنے کی غرض سے ہفتہ وار ثقافتی پروگراموں کا اجرا کیا جاتا ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام:

مَنْ زَارَنِی فِی تِلْكَ الْبُقْعَةِ كَانَ كَمَنْ زَارَ رَسُولَ اللهِ (ص)

جس نے طوس میں میری زیارت کی

گویا اس نے رسول خدا کی زیارت کی

Every one that visits my tomb in Tous, it is as if he has visited Prophet's(P.B.U.T.)tomb.

Index فہرست

[۱۲]

[۲۰]

[۲۴]

ڈائرکٹر جنرل : پروفیسر ڈاکٹر احمد نثاری
nesari@itf.org.ir
ایڈیٹر ان چیف : ڈاکٹر محمد کیومرثی
کلچرل پروڈکشن انچارج :ڈاکٹر سعید کرمی
پبلک ریلیشن : مریم حمزہ لو

اعزازی مجلس مشاورت (بین الاقوامی):
پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف خشک
پروفیسر ڈاکٹر خلیل طوقار
پروفیسر ڈاکٹر انوار احمد
پروفیسر ڈاکٹر رشید امجد
پروفیسر ڈاکٹر افتخار حسین عارف

خصوصی نمبر حضرت امام رضا(ع)

ابتدائیہ ۴
ابتدائیہ ۸
رہبر معظم انقلاب کا تاریخی پیغام امام رضا(ع) کی حیات طیبہ کے بارے میں ۱۲
امامت کے آٹھویں تاجدار اور روشن ستارہ ۲۰

ماہنامہ ایران نوین
Tehran, Islamic Republic of Iran :: P.O.Box: 14155-3899
www.irannovin.info :: Email: info@irannovin.info
تلفن: ۵-۸۸۸۹۷۶۶۲-۹۸۲۱+ :: فکس : ۸۸۹۰۲۷۲۵-۹۸۲۱+

[۳۰]

[۳۶]

[۴۶]

روضۂ مبارک پر پہلی حاضری ۲۴

امام رضا علیہ السلام کے علمی کارنامے ۳۰

خاندان رسالت کے معصوم دہم (حضرت امام علی رضا علیہ السّلام) ۳۶

اچھی حکمرانی امام رضا(ع) کی نظر میں ۴۶

گرافیکس ڈیزائنر : مجید خضری پور

منتظم اشاعت : مجید قاسمی

یہ ایک بین الاقوامی اردو جریدہ ہے جس کا مقصد آج کے ایران سے متعلق تہذیبی ، ادبی ، معاشرتی ، سیاسی ، اقتصادی و علمی مسائل و مباحث و اقدار کو فروغ دینا ہے ۔ اس جریدے میں ایران و برصغیر پاک و ہند کی خبروں پر مبنی اشتراکات ، تحقیقی و علمی سرگرمیوں ، ثقافت ، تجارت اور خواتین کے موضوعات کے علاوہ فارسی ادب کے شہپارے بھی ملیں گے ۔

ڈاکٹر سید محمد حسین باشمی

ادارہ برائے ثقافت اور اسلامی
تعلقات عامہ کے کلچرل ڈائرکٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔امام رضا(ع) سے متعلق ہنری اور ثقافتی آثار و تصانیف کے مصنفین کو متعارف کرانے میں امام رضا(ع) کے بین الاقوامی فسٹیول کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

آسمان ولایت و امامت کے آٹھویں تابناک ستارے حضرت علی بن موسی الرضا علیہ السلام کی روح پاک پر تحیت و سلام اور امام رضا(ع) کے فسٹیول منانے والے تمام عزیزوں کے لیے مزید کامیابیوں کی خواہش رکھتے ہوئے جو آج کل اللہ تعالی کے فضل و کرم سے جمہوریہ اسلامیہ ایران کے سب سے عظیم اور آفاقی ثقافتی منصوبوں میں شمار کیا جاتا ہے درج ذیل چند اہم نکات کا بیان کرتا ہوں:

پہلا یہ کہ ادارہ برائے اسلامی ثقافت اور تعلقات عامہ جو قابل قدر سپریم لیڈر کے مطابق اسلامی جمہوریہ ایران کی بھر پور صلاحیتوں کو باہر ملک منتقل کرانے میں ایک اچھا اور قابل فخر کردار ادا کر رہا ہے' یہ ادارہ اس فسٹیول کو بروئے کار لانے میں اپنا کردار دو اہم شکلوں

میں جاری رکھتا ہے ایک قومی اور دوسری بین الاقوامی۔

ادارہ بین الاقوامی مشن کو انجام دینے میں اپنی پوری طاقت بروئے کار لاتا ہے تا کہ بین الاقوامی مضبوط اور با صلاحیت اداروں کی شناخت اور دعوت سے اور ان کی توانائیوں کو استعمال میں لاتے ہوئے' اس فسٹیول کو ان تمام علاقوں تک پہنچا دے جو حضرت امام رضا(ع) کے عقیدت مند موجود ہیں۔ موجودہ سال میں ستر سے زائد ملکوں اور دو سو سے زائد علاقوں کو اس مہم کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔

لیکن بین الاقوامی سطح پر ادارے نے اس عزم کا ارادہ کیا ہے کہ فن کاروں کے چنیدہ اور منتخب آثار کو باہر ملک بجھوائے تا کہ ان تمام صلاحیتوں سے بین الاقوامی سطح پر بھر پور فائدہ اٹھایا جائے۔ادارے نے اس حوالے سے اچھے قدم اٹھائے ہیں

« ادارہ برائے اسلامی ثقافت اور تعلقات عامہ جو قابل قدرسپریم لیڈر کے مطابق اسلامی جمہوریہ ایران کی بھر پور صلاحیتوں کو باہر ملک منتقل کرانے میں ایک اچھا اور قابل فخر کردار ادا کر رہا ہے ، یہ ادارہ اس فسٹیول کو بروئے کار لانے میں اپنا کردار دو اہم شکلوں میں جاری رکھتا ہے ایک قومی اور دوسری بین الاقوامی »

اور ہمیں مزید کوشش اور توازون کی ضرورت ہو گی۔

س۲) قیادت کے سلسے میں بین الاقوامی سطح پر رضوی ثقافت کی ترویج واشاعت کے لیے کیا کیا پالیسیاں بنائی گئی ہیں؟

اسلامی جمہوریہ ایران کی بین الاقوامی مشن نے' ادارہ برائے اسلامی ثقافت اور تعلقات عامہ پر یہ ذمہ داری عائد کردی ہے کہ اسلام اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کے لیے اسلامی جمہوریہ ایران کی توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس مہم کو سرانجام تک پہنچا دے۔ موجودہ سال امام رضا(ع) کا بین الاقوامی فسٹیول تہران میں ہو گا جو واضح طور پر مقامی وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مستقل حیثیت سے دنیا میں منایا جائے گا۔ رضوی خادمین کا بین الاقوامی مجمع اور رضوی خواتین کا انٹر نیشنل سمینار جامعہ المصطفیٰ اور اہل البیت(ع) کے انٹر نیشنل سنٹر اور دیگر اداروں کے تعاون سے' فسٹیول بین الاقوامی سطح تک بڑھانے میں مددگار ہو گا تا کہ اسلامی جمہوریہ ایران کے ارض طوس میں مدفون اس معصوم اہل البیت(ع) کی انمول تعلیمات کی پوری دنیا میں ترویج واشاعت کی جائے۔

س۳) اس فسٹیول کی بین الاقوامی مجلس کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے اس کی سرگرمیوں کو مزید فروغ دینے میں آپ کی کیا تجاویز ہوں گی؟

پہلی بات یہ ہو گی کہ سرگرمیوں پر مسلسل نظر رکھنا اس کی ضمانت ہو گی۔ اس سلسلے میں بین الاقوامی مجلس ہر سال فسٹیول کے اختتام پر اور اگلے سال کے فسٹیول کی سرگرمیاں شروع ہونے سے پہلے اپنی پہلی میٹینگ میں پچھلے برس کے فسٹیول کی خامیوں اور کوتاہیوں کو زیر

بحث لائے گی اور پیش ہونے والے تمام نکات کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں اپنے لائحہ عمل میں لائے گی۔

دوسری بات یہ کہ ہمیں اپنی سرگرمیوں کے ارتقاء میں فسٹیول کے ناظرین اور مستفید ہونے والوں کے نقطہ ء نگاہ اور دوسری طرف پیش کیے گئے پروگراموں کی سطح' ثقافتی رنگارنگی اور دیگر وسائل پر نظر رکھنی چاہیے۔ باہر ملک مخاطبین کے تین مختلف گروہ ہوں گے جو رضوی ثقافت کے ریزہ خوار ہیں۔

پہلا گروہ باہر ملک رہنے والے ایرانی لوگ ہیں جن کی آبادی ساٹھ لاکھ کے لگ بھگ ہو گی جو کسی نہ کسی وجہ سے باہر ملک مقیم ہیں لیکن اہل البیت(ع) خاص طور پر امام رضا(ع) کی محبت ان کے دلوں میں موجزن ہے۔ امام غریب اور حضرت ثامن الحجج کے نام سنتے ہی ان کی آنکھیں نمناک ہوتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے یہ گروہ ہمارے پیش ہونے والے قومی پرگراموں کے دلداہ اور گرویدہ ہیں جو کسی بنیادی کمی بیشی اور ترجمے کے بغیر اپنی تمام سرگرمیاں جو قومی سطح پر ادارہ ہذا کے ذریعے بن کر پیش کی جاتی ہیں وہ لوگ رسائی حاصل کر لیں۔ اسی لیے اس گروہ کے لیے پیش ہونے والے پرگراموں کے ارتقا میں' قومی سطح پر اپنے پروگرام کی ترقی دیں اور اس خاص گروہ کی شناخت کے توسط سے باہر ملک رہنے والے ہم وطنوں تک یہ سرگرمیاں منتقل کر سکیں۔

دوسرا گروہ اہل البیت علیہم السلام اور شیعیت سے عقیدت رکھنے والے اور پیروکار ہیں جو دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں جو اسلامی جمہوریہ ایران کے پروگراموں کے منتظر ہیں۔ کشمیر سے لے کر بمبئی' دہلی اور گجرات تک۔ حیدر آباد سے لے کر لاہور اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات تک۔ کنیا' تانزینیا اور

جنوبی افریقہ تک۔ لندن، مانچسٹر، ڈیٹروٹ تک۔ سعودی عرب کے الشرقیہ، کویت، متحدہ عرب امارات اور قطر تک، ایران کو ام القری اور اپنے مذہب کے ملجا و ماوا سمجھتے ہیں لہٰذا ہم پر فرض ہے اپنی تمام توانائی اور صلاحیت سے اس گروہ سے تعاون کرلیں۔ تیسرا گروہ وہ اہل سنت ہے جو رسول پاک(ص) اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے محبت کرتے ہیں امام رضا(ع) کا عالم زمانہ اور رسول پاک(ص) کے فرزند کی حیثیت سے احترام کرتے ہیں جو البتہ اہل سنت کی اکثریت اس میں شامل ہیں۔ امام علی بن موسی الرضا(ع) کی کتاب حدیث جو اہل سنت اس پر یقین رکھتے ہیں بھی پچھلے برس بنیاد پبلیکیشنز کے توسط سے شائع ہو کر سامنے آئی جو علمی معاشرے نے اس کا خوب استقبال کیا۔ ظاہر ہے ادارہ تین گروہوں کے لیے پروگرام بنانے میں مصروف ہونا چاہیے اور یہ منصوبہ مختلف تحقیقی اور علمی اداروں کی باہمی کوشش اور علمی مدرسوں کی پشت پناہی کے بغیر ناممکن ہو گا۔ ہمیں امید ہے کہ توانائیوں میں مزید اضافے کے باعث ہم یہ مہم مکمل طور پر انجام دے سکیں۔

س۴) حضرت امام رضا(ع) کی تاریخی ہجرت کی از سر نو شناخت اور ارضِ ایران میں وجود آنے والی اس عظیم اسلامی ثقافت کے کیا نتائج ہیں؟

میرا یقین ہے کہ علی بن موسی الرضا علیہ السلام کی تاریخی ہجرت خراسان اعظم اور خطہء خوارزم میں اسلامی ثقافت کی تشکیل میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ اس ہجرت نے اس زمانے کے لوگوں کے درمیان نہ صرف روحانی اور اخلاقی لہر پیدا کی بلکہ بین المذاہب کی ثقافتی گفتگو کی بنیاد فراہم کر سکی اور دیگر ملکوں کے صاحبانِ علم و فضل کی علمی و ثقافتی کاوشوں کو یکجا کرتے ہوئے آج کل ان تمام کاوشوں کو بحا رالانوار کی بارھویں اور تیرھویں جلدوں کی شکل میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ہمیں امید ہے رضوی معارف کی اشاعت اور آل محمد(ص) کے اعتقادات کو لوگوں تک پہنچانے سے رضوی تعلیمات پر مبنی ایک سکولار حکومت کا تعاروف پوری دنیا تک کرائیں۔

آخر میں پھر سے اس بات پر تاکید کرتا ہوں کہ مختلف برّاعظموں میں ہمارے محترم ناظرین کی ضروریات اور دنیائے اسلام میں، اسلامی جمہوریہ ایران کی آفاقی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے علمی، ثقافتی اور ہنری امور کے ذمہ دار اداروں کا فرض ہے کہ وہ اپنی پوری طاقت بروئے کار لائیں تاکہ ہم ہر سال اپنی مزید توانائی اور تنوع کے ذریعے اس امام ہمام کے مکتب کی اشاعت کر سکیں۔

«کشمیر سے لے کر بمبئی، دہلی اور گجرات تک۔ حیدر آباد سے لے کر لاہور اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات تک۔ کنیا، تانزینیا اور جنوبی افریقہ تک۔ لندن، مانچسٹر، ڈیٹروٹ تک۔ سعودی عرب کے الشرقیہ، کویت، متحدہ عرب امارات اور قطر تک۔ اسلامی جمہوریہ ایران کی تمناؤں کا کعبہ ہے»

ڈاکٹر محمود واعظی

امام رضا(ع) کے بین الاقوامی فسٹیول کی مجلس کے سیکریٹری، ادارہ برائے ثقافت اور اسلامی تعلقات عامہ کے ڈائریکٹر کے مشیر، تہران یونیورسٹی کے فیکلٹی ممبر، نیز یونیورسٹی کے ہائر ایجوکیشن اسٹڈیز کے رجسٹرار

باسمہ العلیم

قال الرضا علیہ السلام : فان الناس لو علموا محاسن کلامنا لاتبعونا

حضرت علی بن موسی الرضا علیہ آلاف التحیہ و الثناء کا بین الاقوامی فسٹیول بے شک اسلامی جمہوریہ ایران کی عالمی اور مؤثر ثقافتی، ترویجی اور اشاعتی سرگرمیوں میں سے ہے جو قومی، علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر منایا جاتا ہے۔

رضوی مکتب کی تعلیمات کے ریزہ خوار، لطف و کرم سے لبریز اس خوانِ نعمت کا ماضی سے زیادہ شکرگزار ہوتے ہوئے خود کو ہمیشہ اس نورانی کلام کے مخاطب جانتے ہیں۔ اگر لوگ ہماری گفتار کی خوبیوں سے واقف ہوتے تو قطعی طور پر ہماری پیروی کرتے اور انسان کی خود ساختہ تباہیوں، ظالموں اور استعماری طاقتوں کی دنیا پر چھائی ہوئی ظلمت اور روزبروز بڑھتی ہوئی شیطانی آلودگیوں سے بچ جاتے۔

آن حضرت کے عقیدت رکھنے والوں کی رسالت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب ان کے خزانہ انوار اور ان کے یادگار ورثے اور معارف کی گہرائی کے ساتھ ساتھ ہر روز ماضی سے

زیادہ تر حق جو اور تشنہ کام لوگوں کے ذوق و شوق و ضرورت کو دیکھ لیتے ہیں۔وہ لہریں جن کی سطوح پر مختلف قسم کے مخاطب دیکھنے میں آتے ہیں۔ اس کام کی نوعیت نے امام رضا(ع) کے فسٹیول کے سربراہوں کو اس کام پر اکسایا کہ قومی اور صوبائی سطح پر تجربہ حاصل کرنے اور اس طرح کی بڑی روحانی سرگرمی کی بنیادی ضروریات فراہم ہونے کے بعد' ساتویں فسٹیول سے ادارہ برائے ثقافت اور اسلامی تعلقات عامہ کو اسلامی جمہوریہ ایران کے ثقافتی نمایندے کے طور پر بلایا گیا اور رضوی معارف کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ایک نیا باب کھل گیا۔ادارہ ءہذا ایک پالیسی ساز اور ہم آہنگی پیدا کرنے والے محکمے کی حیثیت سے جامعہ المصطفیٰ العالمیہ' اہل البیت کا بین الاقوامی مجمع' میڈیا کا ادارہ اوقاف اور دیگر قابل قدر اداروں کے وسائل کو اپنے استعمال میں لاتے ہوئے اسے یہ کامیابی میسر آئی کہ اس سلسلے میں ایک موثر

«رضوی مکتب کی تعلیمات کے ریزہ خوار، لطف و کرم سے لبریز اس خوانِ نعمت کا ماضی سے زیادہ شکرگزار ہوتے ہوئے خود کو ہمیشہ اس نورانی کلام کے مخاطب جانتے ہیں۔اگر لوگ ہماری گفتار کی خوبیوں سے واقف ہوتے تو قطعی طور پر ہماری پیروی کرتے اور انسان کی خود ساختہ تباہیوں، ظالموں اور استعماری طاقتوں کی دنیا پر چھائی ہوئی ظلمت اور روزبروز بڑھتی ہوئی شیطانی آلودگیوں سے بچ جاتے»

اور طاقت ور سوسائٹی قائم کر سکے۔

امام رضا(ع) اور ایران :

یوں تو ائمہ اطہار علیہم السلام کی ہر ایک اپنی خاص خصوصیات تھیں اور ہر ایک ہمارے اذہان میں اور دوسری طرف اسلامی معارف اور مکتب کے کلی پلان میں اپنے لیے خاص جگہ بنا لیتے ہیں لیکن امام رضا(ع) ایران اور خطہء خراسان کے لیے الگ حیثیت کے حامل نظر آتے ہیں۔امام رضا(ع) کی خطہء خراسان میں تاریخی ہجرت اس دور میں ہوئی جب امام(ع) حکومت کے سخت شکنجے میں تھے اور یہ ہجرت ہمارے ملک ایران کے لیے خاص حالات کا باعث بن گئی اور بعض محققین کے بقول مدینہ والوں کا اہل البیت(ع) سے ناشایستہ سلوک کی وجہ سے اللہ تعالی نے امام رضا(ع) کے وجود مبارک کو مدینے کی سرزمین سے خطہء خراسان اور ایران میں جو ان کی معنوی قدروں کی پاسداری کرنے میں زیادہ صلاحیت رکھتا ہے ، منتقل کیا۔ اللہ تعالی کے وعدے کے مطابق استبدال کا مسئلہ وقوع پذیر ہوا اور ان امام ہمام کی میزبانی ان لوگوں کے سپرد کی گئی جو صدیوں تک ولایت و امامت کے عہد پر قائم رہے۔ان کی شہادت کی صدیوں بعد بھی اس خطہ ء ارضی میں' ان کے پیروکار اور عقیدت رکھنے والوں نے اہل البیت کے روضہ ء مبارک کی حفاظت اور نگہبانی کی اور حضرت امام رضا(ع) کی عالمانہ اور ہوشمندانہ تدبیر سے ہمارے دلوں میں ان کے لیے ایک خاص محبت و عقیدت موجود ہے۔

تیرھواں فسٹیول :

اللہ تعالی کے فضل و کرم اور عزیز دوستوں کی کوششوں سے موجودہ سال میں امام رضا(ع) کے بین الاقوامی فسٹیول کے سلسلے میں چند اہم کام کیے گئے ہیں جن میں سب سے اہم ترین کام خادمان ثقافت رضوی کا بین الاقوامی مجمع کی تشکیل اور بین الاقوامی سطح پر سرگرمیوں کو فروغ دینے میں خادمانِ رضوی کے بین الاقوامی مجمع کی مینئ فیسٹو کی تحریر و تدوین ہے۔ دوسرا اہم نکتہ جو رضوی ثقافت کے میدان میں قابل غور و خوض ہے جس کی طرف کمتر توجہ دی گئی ہے وہ امت مسلمہ کی خواتین کا کردار ہے۔ہرگز رضوی ثقافت کے عرصے میں مسلم خواتین کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے اپنی کوششوں سے اس میدان میں بہت سے یادگار کام سرانجام دئے۔اسی سال میں ادارہ برائے ثقافت و اسلامی تعلقات عامہ کے شعبہ ء خواتین نے اس حوالے سے ایک اچھی تجویز دی اور وہ رضوی ثقافت کی اشاعت میں خواتین کا بین الاقوامی سمینار کا اہتمام تھا۔یہ سمینار تین الگ نشستوں میں مشہد' قم اور شیراز میں اور پھر ۲۳ اگست کو مذکورہ ادارے میں منعقد ہو گا۔

حضرت امام رضا(ع) کی شخصیت سے متعلق اردو' انگریزی اور عربی زبانوں میں تین الگ جریدے تدوین اور تحریر کیے گئے ہیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک نیا منصوبہ ہے اور موجودہ سال میں بین الاقوامی مجلسِ مشاورت کی کوششوں اور بنیاد افکار اسلامی کی معاونت سے ڈیزائن اور پیش کیا گیا۔

حالیہ عشروں میں دنیائے اسلام کی کم از کم آٹھ اہم شخصیات جو رضوی

ثقافت و معارف کے میدان میں سب سے نمایاں کام کیے ہیں مذکورہ فسٹیول کے اختتام پر اسلامی جمہوریہ ایران کے اہم سیاسی سربراہوں کے توسط سے ان کی کوششوں کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ہم نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ رضوی ثقافت کے چنیدہ خادمین کا بین الاقوامی مجمعے کی تشکیل دیں اور گذشتہ برسوں کے فسٹیول میں شریک ہونے والے تمام خادمین کی دعوت کریں اور ایک انٹرنیشنل نیٹ ورک کی شکل میں ترویجی سرگرمیوں کو ان قابل قدر شخصیات کی قیادت اور سرپرستی میں جاری رکھیں۔ کیونکہ یہ وہ ہونہار شخصیات ہیں جو گذشتہ سال میں اسلامی جمہوریہ ایران تشریف لائے اور امام رضا(ع) کے خادم کی حیثیت سے ان کی حوصلہ افزائی کی گئی اور حضرت امام رضا(ع) کے خادمی کے رتبے پر فائز آئے۔

مستقبل پر نگاہ اور سامنے آنے والے مصائب و مشکلات :

اسلامی دنیا کا بین الاقوامی میدان حالیہ برسوں میں ایک خاص خصوصیت رکھتا ہے۔ امن و انصاف ' انسانی قدروں اور مکتب رضوی پرچار کرنے والوں کو دو جہات سے مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پہلی بعض ملکوں کی حکومتی طاقتیں ہیں جو صہیونی آرمانوں کو اپنائے ہوئے امن و انصاف کی ترویج و اشاعت کے راستے میں حائل نظر آتے ہیں۔ دوسری وہ دہشت گرد اور انتہا پسند تنظیمیں ہیں جو صہیونی عناصر کی حمایت سے اس سلسلے میں امتِ مسلمہ کے لوگوں کے اپس میں تفرقہ انگیزی کے در پے ہیں اور انہوں نے اسلامی قدروں کی حلاوت چھین لی ہے۔

تمام مشکلوں کے باوجود مکتب اہل البیت کی نورانیت نیز معصومین علیہم السلام کے منطقی ، عقلی اور روح پرور کلام نے یوں امت مسلمہ کے دلوں کو نشانہ بنا دیا ہے اور آزادہ لوگوں کے قلوب کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے کہ پوری دنیا میں موجود مکتبِ رضوی کے عقیدت مند اور جان نثار ماضی سے زیادہ تر اپنے قلم اور قدم سے ان کے مکتب کی ترویج و اشاعت کرکے کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں۔ رضوی فسٹیول کے بین الاقوامی امور کی مجلسِ مشاورت ساحتِ رضوی سے دلچسپی رکھنے والے تمام عزیزوں کو خیر مقدم کہتے ہوئے آپ لوگوں کو تعاون کرنے کی دعوت دیتی ہے نیز یہ مجلس اس بات پر تیار ہے تا کہ مختلف ممالک میں خواہش رکھنے والے افراد کے منصوبوں کی بھر پور حمایت اور معاونت کرے۔

«اسلامی دنیا کا بین الاقوامی میدان حالیہ برسوں میں ایک خاص خصوصیت رکھتا ہے۔ امن و انصاف ، انسانی قدروں اور مکتب رضوی پرچار کرنے والوں کو دو جہات سے مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پہلی بعض ملکوں کی حکومتی طاقتیں ہیں جو صہیونی آرمانوں کو اپنائے ہوئے امن و انصاف کی ترویج و اشاعت کے راستے میں حائل نظر آتے ہیں»

رہبر معظم انقلاب کا تاریخی پیغام امام رضا(ع) کی حیات طیبہ کے بارے میں

ڈاکٹر راشد عباس نقوی

۱۹۸۴ء میں منعقد ہونے والی عالمی امام رضا(ع) کانگریس کے لیے رہبر معظم انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمی خامنہ ای۔جو اس وقت اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر تھے۔ کا تاریخی پیغام ملاحظہ ہو جس میں آپ نے امام رضا(ع) کی سیاسی زندگی کا تجزیہ کیا ہے۔

رہبر معظم کا پیغام عالمی امام رضا(ع) کانگریس کے نام:

امام رضا علیہ السلام کی ایام ولادت میں آپ(ع) کے آستان مبارک میں آپ(ع) کی علمی حیات کے بارے میں کانگریس کا انعقاد ائمۂ معصومین علیہم السلام کے روشن چہروں کو مزید عیاں کرنے اور ان عظیم الشان پیشواؤں کی کارناموں سے بھرپور مگر پرمشقت زندگی کی شناخت کی جانب ایک نیا قدم ہے۔ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ائمہ علیہم السلام کی زندگی کی صحیح طور پر شناخت حاصل نہیں کی جاسکی ہے؛ حتی کہ مصائب اور صعوبتوں کے باوجود ان کے جہاد کی عظمت شیعیان اہل بیت(ع) کے لیے بھی روشن نہیں ہو سکی ہے۔

ائمۂ طاہرین کی زندگی کے جس اہم ترین پہلو کی طرف شائستہ انداز میں توجہ نہیں ہوئی ہے وہ ان کے "شدید سیاسی جدوجہد" کا عنصر ہے۔ پہلی صدی ہجری کی ابتدا ہی میں اسلامی خلافت سلطنت کی پیرایوں میں ڈھل گئی اور اسلامی امامت جابرانہ بادشاہت میں تبدیل ہوئی۔ ائمۂ طاہرین علیہم السلام نے سیاسی حالات کے تناسب سے ہی اپنی سیاسی جدوجہد کو شدت بخشی۔ اس جدوجہد کا اہم ترین اور بنیادی مقصد اسلامی نظام اور امامت کے اصول پر مبنی حکومت کی تاسیس تھا۔ تاریخ، ہارون عباسی کے دور میں امام رضا علیہ السلام کی دس سالہ زندگی اور اس کے

بعد خراسان [میں مأمون] اور بغداد [میں امین] کے درمیان ہونے والی پانچ سالہ لڑائیوں کے بارے میں ہمیں کوئی خاص بات نہیں بتا سکی ہے؛ لیکن تدبر و تفکر کے ذریعے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ امام رضا علیہ السلام اس پندرہ سالہ عرصے میں اہل بیت(ع) کی اسی طویل المدت جدوجہد کو جاری رکھے ہوئے تھے جو عاشورا کے بعد شروع ہوئی تھی اور ان ہی اہداف کے حصول کے لیے کوشاں تھے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اختصار کے ساتھ امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے واقعے پر روشنی ڈالی جائے:

اس واقعے میں امام ہشتم علی بن موسی الرضا علیہ السلام ایک عظیم تاریخی تجربے سے گذرے اور آپ کو ایک خفیہ سیاسی جنگ کا سامنا کرنا پڑا جس میں کامیابی یا ناکامی تشیع کی مقدر کی ترسیم میں مؤثر ہوسکتی تھی۔ مأمون امام ہشتم(ع) کو خراسان بلوا کر کئی اہم اہداف حاصل کرنا چاہتا تھا:

سب سے پہلا اور سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ اہل تشیع کی تند و تیز اور انقلابی سیاسی جدوجہد کو ایک پر امن اور بے خطر سیاسی سرگرمیوں میں تبدیل کیا جائے۔ اہل تشیع تقیّہ کی حکمت عملی سے استفادہ کرتے ہوئے انتھک اور کبھی نہ ختم ہونے والی سیاسی جدوجہد میں مصروف رہے تھے؛ دو اہم خصوصیات والی یہ جدوجہد خلافت کی بساط لپیٹنے میں اہم کردار ادا کررہی تھی اور وہ دو خصوصیات مظلومیت اور تقدس سے عبارت تھیں۔ مأمون اس اقدام کے ذریعے اہل تشیع کی جدوجہد کو ان دو مؤثر خصوصیات سے خالی کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ جن لوگوں کا زعیم و قائد خلافت کی مشینری کا ممتاز فرد اور وقت کے مطلق العنان بادشاہ کا ولیعہد ہو وہ لوگ مظلوم یا مقدس نہیں ہوتے۔

مأمون کا دوسرا ہدف اہل تشیع کے اس اعتقاد کو غلط ظاہر کرنا تھا کہ اموی اور عباسی خلافتیں شرعی اور قانونی حیثیت نہیں رکھتیں اور اس طرح وہ ان دو خلافتوں کو قانونی حیثیت دینا چاہتا تھا۔

تیسرا ہدف امام(ع) کو اپنے اداروں کے قابو میں لانا چاہتا تھا کیوں کہ امام(ع) ہر قسم کی جدوجہد اور حکومت کی مخالفت کا محور سمجھے جاتے تھے۔ اور اگر امام(ع) ان کے قابو میں آتے تو سرکردہ علوی رہنما' انقلابی افراد اور جنگجو مجاہدین بھی حکومت کے قابو میں آسکتے تھے۔

چوتھا ہدف یہ تھا کہ امام علیہ السلام جو ایک عوامی شخصیت' لوگوں کا قبلۂ امید اور سوالات و شکایات کا مرجع تھے کو حکومتی گماشتوں کی نگرانی میں لایا جائے اور رفتہ رفتہ ان کا عوامی چہرہ مخدوش کیا جائے اور ابتداء میں امام(ع) اور عوام اور دوسرے مرحلے میں امام(ع) اور عوام کی عقیدت

«سب سے پہلا اور سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ اہل تشیع کی تندو تیز اور انقلابی سیاسی جدوجہد کو ایک پر امن اور بے خطر سیاسی سرگرمیوں میں تبدیل کیا جائے۔ اہل تشیع تقیّہ کی حکمت عملی سے استفادہ کرتے ہوئے انتھک اور کبھی نہ ختم ہونے والی سیاسی جدوجہد میں مصروف رہے تھے؛ دو اہم خصوصیات والی یہ جدوجہد خلافت کی بساط لپیٹنے میں اہم کردار ادا کررہی تھی اور وہ دو خصوصیات مظلومیت اور تقدس سے عبارت تھیں»

و محبت کے درمیان فاصلے کی دیواریں کھڑی کی جائیں۔

پانچواں ہدف یہ تھا کہ مأمون امام(ع) کو ولیعہد بنا کر اپنے لیے معنوی اور روحانی لبادہ تیار کرنا چاہتا تھا۔ فطری امر تھا کہ اس وقت کی دنیا میں لوگ اس کی تعریف و تمجید کرتے جس نے پیغمبر خدا(ص) کے ایک فرزند اور ایک مقدس اور معنوی شخصیت کو اپنا ولیعہد مقرر کیا تھا اور اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو اس منصب سے محروم رکھا تھا اور ہمیشہ صورت حال یہی ہے کہ جب دیندار لوگ دنیا پرستوں کی قربت حاصل کریں تو دینداروں کی حیثیت مجروح ہوجاتی ہے اور دنیا پرستوں کی حیثیت بہتر ہوجاتی ہے۔

مأمون کا چھٹا ہدف یہ تھا کہ اس کے اپنے خیال میں، امام(ع) ولیعہد بن کر اس کی خلافت کی توجیہ کرنے اور اس کا دفاع کرنے والی شخصیت میں تبدیل ہوجاتے۔ امرِ مسلم ہے کہ اگر علم و تقوی کے لحاظ سے امام(ع) کے رتبے کی کوئی شخصیت - جو عوام کی نظر میں رسول خدا(ص) کے فرزند کی حیثیت سے بے مثال حرمت و آبرو کے مالک تھے - حکومت وقت کے دور میں رونما والے حوادث اور واقعات کی توجیہ کرنے لگتی تو کوئی بھی مخالف صدا اس حکومت کی شرعی

اور قانونی حیثیت کو مخدوش کرنے کے قابل نہ رہتی۔ یہی وہ ناقابل تسخیر حصار تھا جو خلافت کی خطاؤں اور خلیفہ بھونڈے اعمال کو آنکھوں سے پوشیدہ رکھ سکتا تھا۔

اس سیاسی چال کے مد مقابل امام علیہ السلام کی تدبیریں اور پالیسیاں:

۱- جب امام علیہ السلام کو مدینہ سے خراسان بلوایا گیا، تو آپ(ع) نے مدینہ کے ماحول کو اپنی ناپسندیدگی اور کراہیت سے پر کردیا؛ حتی کہ امام(ع) کے ارد گرد موجود افراد نے یقین کرلیا کہ امام رضا علیہ السلام کو وطن سے دور کرنے کے سلسلے میں مأمون کا ارادہ بدنیتی پر مبنی ہے۔

امام(ع) نے مأمون کے حوالے سے اپنی منفی نگاہ اہل مدینہ کو پہنچادی تھی۔ رسول خدا(ص) کے حرم سے وداع کرتے وقت، اہل خاندان سے وداع کرتے وقت، مدینہ

«فطری امر تھا کہ اس وقت کی دنیا میں لوگ اس کی تعریف وتمجید کرتے جس نے پیغمبر خدا(ص) کے ایک فرزند اور ایک مقدس اور معنوی شخصیت کو اپنا ولیعہد مقرر کیا تھا اور اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو اس منصب سے محروم رکھا تھا اور ہمیشہ صورت حال یہی ہے کہ جب دیندار لوگ دنیا پرستوں کی قربت حاصل کریں تو دینداروں کی حیثیت مجروح ہوجاتی ہے اور دنیا پرستوں کی حیثیت بہتر ہوجاتی ہے»

سے نکلتے وقت، طواف کعبہ کے وقت جو آپ(ع) نے بعنوان طواف وداع انجام دیا قول و فعل کے ذریعے، دعا اور اشک و آہ کے زبانی، آپ(ع) نے سب پر ثابت کیا کہ یہ سفر موت کا سفر ہے [اور اس سفر سے زندہ لوٹ کر آنے کی کوئی امید نہیں ہے]۔ مأمون اپنی سازش کے تحت جن لوگوں کو امام علیہ السلام کی نسبت بد ظن اور اپنی نسبت پر اعتماد کرنا چاہتا تھا ان کے دل۔ سازش پر عملدرآمد کرنے کے ابتدائی لمحوں سے ہی۔ مأمون کی نفرت اور اس کی نسبت بداعتمادی سے مالامال ہوگئے جو ان کے امام کو ظالمانہ انداز سے ان سے جدا کرکے قتلگاہ کی طرف لی جانا چاہتا تھا۔

۲- جب مأمون کے دارالحکومت۔ شہر مرو MARV۔ میں مأمون نے ولایت عہدی کی تجویز پیش کی تو امام(ع) نے یہ عہدہ قبول کرنے سے سختی سے انکار کیا اور جب تک مأمون نے آپ(ع) کو قتل کی دھمکی نہیں دی تھی امام نے یہ منصب قبول نہیں کیا تھا۔ یہ بات سب تک پہنچ گئی تھی کہ امام علیہ السلام نے مأمون کی جانب سے ابتداء میں خلافت کی پیشکش اور بعد میں ولیعہدی کی پیشکش ٹھکرا دی ہے۔

حقیقت کچھ یوں تھی کہ سرکاری اہلکاروں کو مأمون کی چالوں کا علم نہیں تھا چنانچہ انہوں نے امام(ع) کے انکار کی خبر علاقے میں پھیلادی حتی مأمون کے وزیر فضل بن سہل نے سرکاری اہلکاروں کے ایک گروہ سے کہا کہ "میں نے آج تک خلافت کا عہدہ اتنا خوار و بے مقدار نہیں دیکھا تھا کہ امیرالمؤمنین (مأمون) علی بن موسی الرضا کو اس عہدے کی پیشکش کررہے ہیں اور علی بن موسی اس پیشکش کو مسترد کررہے ہیں!

۳- تاہم علی بن موسی الرضا علیہ السلام نے ولایتعہدی کی پیشکش قبول کرلی اور شرط یہ رکھی کہ حکومت کے کسی بھی مسئلے میں مداخلت نہیں کریں گے؛ جنگ و صلح اور تقرری اور معزولی جیسے مسائل میں کوئی حکم نہیں دیں گے اور کوئی فیصلہ نہیں کریں گے اور مأمون۔ جو تصور کرتا تھا کہ یہ شرط ابتدائی مرحلے میں قابل برداشت ہے اور وہ رفتہ رفتہ امام(ع) کو سلطنت کے امور میں داخل کردے گا۔ یہ شرط قبول کرنے پر آمادہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ شرط باقی رہتی تو مأمون کا منصوبہ خاک میں مل جاتا اور اس کے بیشتر اہداف و مقاصد حاصل نہ ہوتے۔

۴- مگر ان حالات سے امام علیہ السلام نے جو فائدہ اٹھایا وہ ان تمام مسائل سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

امام(ع) نے ولایتعہدی کا منصب قبول کرکے ایک ایسا اقدام کیا جو سنہ ۴۰ ہجری میں اہل بیت(ع) کی خلافت کے خاتمے کے بعد ائمۂ طاہرین(ع) کی حیات طیبہ تک اور حتی سلسلۂ خلافت کے خاتمے تک بے مثال اور

بے بدیل تھا اور وہ اقدام یہ تھا کہ آپ(ع) نے اسلامی قلمرو کی وسعتوں میں شیعہ امامت کا مدعا آشکار کردیا اور تقیہ کے دبیز پردوں کو چاک کرکے تشیع کا پیغام تمام مسلمانوں تک پہنچایا۔ خلافت کا بلند منبر آپ(ع) کے ہاتھ آگیا تھا اور امام(ع) نے اس منبر سے استفادہ کرکے ان حقائق کو آشکار کردیا جو ائمۂ طاہرین ۱۵۰ برسوں تک تقیہ کے پس پردہ خاص افراد اور اصحاب و انصار کے سوا کسی کے سامنے بیان نہیں کرسکے تھے۔ آپ نے یہ صدا بآواز بلند اٹھائی اور اس دور کے موجود وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کی

سماعت کو صدائے حق سے روشناس کر دیا۔
۵- گو کہ مأمون کی پسند یہ تھی کہ امام(ع) لوگوں سے الگ تھلگ رہیں اور وہ جدائی کا حربہ امام(ع) اور عوام کے درمیان عقیدت و محبت کا رشتہ اور مسلمانوں کی جذباتی وابستگی کے خاتمے کے لیے چاہتا تھا' مگر امام(ع) دستیاب مواقع سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں کے پاس پہنچ جاتے تھے اور گو کہ مأمون نے مدینہ سے خراسان تک امام کے سفر کا راستہ نہایت محتاطانہ منصوبے کے تحت مقرر کیا تھا تاکہ محبت اہل بیت(ع) کے حوالے سے معروف شہر جیسے کوفہ اور قم سے آپ(ع) کا گذر نہ ہو مگر امام(ع) نے اسی مقررہ راستے پر لوگوں سے نیا تعلق جوڑنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آپ(ع) نے شہر اہواز میں امامت کی علامتیں لوگوں کو دکھائیں اور بصرہ میں ان دلوں کی محبت حاصل کی جو اہل بیت(ع) کے لیے نامہربان تھے' نیشابور میں حدیث سلسلۃالذہب کو ہمیشہ کے لیے یادگار بنایا اور کئی معجز نما نشانیاں لوگوں کو دکھائیں اور اس طویل سفر کے دوران لوگوں کی ہدایت کو اپنا مطمع نظر قرار دیا' مرو شہر میں جو اس سفر کی منزل مقصود اور خلافت کی اقامتگاہ تھا' بھی جب موقع پایا حکومت وقت کے حصاروں کو توڑ کر عوامی اجتماعات میں حاضر ہوتے رہے۔

« اہل بیت(ع) کے حوالے سے معروف شہر جیسے کوفہ اور قم سے آپ(ع) کا گذر نہ ہو مگر امام(ع) نے اسی مقررہ راستے پر لوگوں سے نیا تعلق جوڑنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آپ(ع) نے شہر اہواز میں امامت کی علامتیں لوگوں کو دکھائیں اور بصرہ میں ان دلوں کی محبت حاصل کی جو اہل بیت(ع) کے لیے نامہربان تھے ،نیشابور میں حدیث سلسلۃالذہب کو ہمیشہ کے لیے یادگار بنایا اور کئی معجز نما نشانیاں لوگوں کو دکھائیں اور اس طویل سفر کے دوران لوگوں کی ہدایت کو اپنا مطمع نظر قرار دیا»

۶- نہ صرف تشیع کے انقلابی افراد کو ساز باز کرنے یا خاموش رہنے کی ترغیب نہیں دی گئی بلکہ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ امام(ع) کی نئی حالت ان کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوئی اور دشوار گذار پہاڑوں اور دور افتادہ علاقوں تک محدود ہونے والے انقلابی جو نہایت مشقت بھری زندگی گذارنے پر مجبور تھے' امام علیہ السلام کی پشت پناہی کی وجہ سے قابل احترام ٹھہرے اور حکومت کے کارگزاروں نے بھی مختلف شہروں میں انہیں احترام کی نظر سے دیکھا۔ مأمون نہ صرف امام علیہ السلام کو اپنے پاس بلانے کی وجہ سے شیعہ مخالفین کا اعتماد حاصل نہیں کرسکا تھا اور ان کی تند و تیز زبانوں کو اپنے اور اپنی خلافت کے خلاف بولنے سے روک نہیں سکا تھا بلکہ حتی علی بن موسی الرضا(ع) کا وجود ان کی حوصلہ افزائی اور امان و اطمینان کا سرمایہ بن چکا تھا۔

مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ اور دیگر اہم اسلامی بلاد میں امام علی بن موسی الرضا(ع) پر نہ صرف حرص دنیا اور شوق اقتدار و منصب کا الزام نہیں لگا تھا اور آپ(ع) کا نام بے رونق نہیں ہوا تھا بلکہ آپ(ع) کی معنوی عزت پر ظاہری حشمت کا بھی اضافہ ہوا تھا اور مداحوں کی زبان دسیوں برس خاموشی کے بعد آپ(ع) اور آپ (ع) کے مظلوم و معصوم آباء و اجداد کی مدح سرائی میں برملا بولنے لگے تھے۔ مختصر یہ کہ مأمون اس عظیم کھیل میں نہ صرف کوئی منفعت حاصل نہیں کرسکا ہے بلکہ بہت سے چیزیں کھو گیا ہے اور قریب ہے کہ وہ باقی چیزیں بھی رفتہ رفتہ کھو دے۔ یہیں سے مأمون نے شدت سے شکست اور نقصان محسوس کیا اور اس نے اپنی اس عظیم غلطی کی تلافی کے لیے نئے اقدام کا ارادہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ اتنی بڑی سرمایہ کرنے کے باوجود اسے کچھ حاصل نہیں ہوا بلکہ اس کی سلطنت مزید خطرات میں گھر گئی ہے؛ چنانچہ اس نے اپنے صلح ناپذیر دشمنوں - یعنی ائمۂ اہل بیت علیہم السلام - کے خلاف اسی حربے سے استفادہ کیا جو اس کے ظالم و فاجر اسلاف نے استعمال کیا تھا یعنی قتل کا حربہ۔

بدیہی امر ہے کہ نہایت ممتاز مقام و منزلت اور معنوی اور ظاہری مناصب کے ہوتے ہوئے امام علیہ السلام کا قتل زیادہ آسان نہ تھا۔ شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ مأمون نے امام(ع) کو شہید کرنے سے قبل کئی دیگر اقدامات انجام دیے ہیں اس لیے کہ شاید اس کا یہ آخری اقدام آسان ہوجائے۔ مثال کے طور پر اس نے امام علیہ السلام کو شہید کرنے سے قبل بعض جھوٹی باتیں امام علیہ السلام سے منسوب کرکے لوگوں میں پھیلادیں' اور اس سلسلے میں اس نے زبردست پروپیگنڈا مہم چلائی۔ مرو شہر میں ایک دفعہ یہ افواہ اڑائی گئی کہ امام علیہ السلام لوگوں کو اپنا عبد و غلام سمجھتے ہیں! اور امر مسلم ہے کہ یہ افواہ اڑانا صرف حکومتی کارندوں کا کام ہوسکتا تھا اور ان کے سوا کوئی اور ایسا اقدام نہیں کرسکتا تھا۔ جب امام(ع) کے صحابی ابوالصلت نے یہ خبر امام(ع) کو پہنچائی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: "خداوندا! اے آسمانوں اور زمین کے مالک! تو شاہد ہے کہ نہ میں نے اور نہ میرے آباء و اجداد نے کبھی بھی ایسی بات نہیں کہی اور یہ بات بھی ان ہی مظالم میں سے ہے جو ان لوگوں کی

جانب سے ہمارے اوپر روا رکھے جاتے ہیں۔ گو کہ مأمون علم اہل بیت(ع) سے بے خبر تھا اور مناظرین کو بلایا کرتا تھا کہ امام(ع) کو علمی مباحث میں شکست ہو چنانچہ ان ہے منصوبوں میں سے ایک یہ تھا کہ مأمون نے ایسے تمام دانشوروں اور علماء کو امام(ع) کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے بلوایا جن کی کامیابی کی امیدیں بہت کم ہوا کرتی تھیں۔ جب امام علیہ السلام نے ادیان و مذاہب کے مناظرین کو شکست سے دوچار کیا اور آپ (ع) کے علم و دانش اور برہان قاطع کا چرچا ہوا تو مأمون نے علم کلام اور مشہورترین مناظرین اور بحث و جدال کے ماہرین کو امام(ع) کے ساتھ مناظروں کے لیے بلانا شروع کیا تا کہ کوئی تو امام(ع) کو قائل کرلے!۔ مگر اس کا یہ مقصد پورا نہ ہوا اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں یہ مناظرات جتنے عرصے تک جاری رہے امام کی علمی قوت ظاہر تر و آشکار تر ہوتی گئی اور مأمون اس حربے کے اثرات سے ناامید تر۔

آخر کار مأمون کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ امام علیہ السلام کو بلاواسطہ طور پر اپنے ہاتھوں سے مسموم کردے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور سنہ ۲۰۳ ہجری کے ماہ صفر میں مدینہ سے بلوانے کے تقریبا دو سال بعد اور آپ (ع) کو ولایتعہدی کا منصب سونپنے سے تقریبا ایک سال بعد اس عظیم اور تاریخی جرم کا ارتکاب کیا اور اپنے ہاتھ امام علیہ السلام کے خون سے رنگ دیے۔

«مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ اور دیگر اہم اسلامی بلاد میں امام علی بن موسی الرضا(ع) پر نہ صرف حرص دنیا اور شوق اقتدار و منصب کا الزام نہیں لگا تھا اور آپ(ع) کا نام بے رونق نہیں ہوا تھا بلکہ آپ(ع) کی معنوی عزت پر ظاہری حشمت کا بھی اضافہ ہوا تھا اور مداحوں کی زبان دسیوں برس خاموشی کے بعد آپ(ع) اور آپ(ع) کے مظلوم و معصوم آباء و اجداد کی مدح سرائی میں برملا بولنے لگے تھے»

امامت کے آٹھویں تاجدار اور روشن ستارہ

ڈاکٹر محمد کیومرثی
شعبہ اردو، تہران یونیورسٹی

حیات اور تربیت

امامت کے آٹھویں تاجدار اور خاندان رسالت کے دسویں معصوم حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت با سعادت گیارہ ذی القعد ۱۴۸ ہجری مدینہ منورہ میں ہوئی آپ کے والد ماجد حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے لوح محفوظ کے مطابق آپ کو "اسم علی" سے موسوم فرمایا۔ آپ بارہ اماموں میں سے تیسرے "علی" ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ کے القاب صابر، زکی، ولی، رضی، وصی تھے اور مشہور ترین لقب رضا تھا۔

علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو رضا اس لیے کہتے ہیں کہ آسمان وزمین میں خداوعالم، رسول اکرم(ص) اورائمہ طاہرین علیہم السلام، نیز تمام مخالفین وموافقین آپ سے راضی تھے۔

آپ کی نشوونما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے زیرسایہ ہوئی اوراسی مقدس ماحول میں بچپن اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئیں اور ۳۰ برس کی عمرپوری ہوئی اگرچہ آخری چند سال اس مدت کے وہ تھے جب امام موسی کاظم علیہ السلام ہارون رشید (لعن اللہ علیہ) کو قید کر دیا تھا مگراس سے پہلے ۲۴ یا ۲۵ برس آپ کوبرابراپنے پدربزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

آپ کے پدربزرگوار حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حکومت

وقت جس کی باگ ڈوراس وقت ہارون رشید عباسی کے ہاتھوں میں تھی آپ کوآزادی کی سانس نہ لینے دے گا اورایسے حالات پیش آجائیں گے کہ آپ کی عمر کے آخری حصّے میں اوردنیا کو چھوڑنے کے موقع پر محبانِ اہلبیت علیہم السلام کا آپ سے ملنا یابعد کے لیے راہنما کا دریافت کرناغیر ممکن ہوجائے گا اس لیے آپ نے انہیں آزادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جب کہ آپ مدینہ میں تھے محبانِ اہلبیت علیہم السلام کواپنے بعد ہونے والے امام سے روشناس کرانے کی ضرورت محسوس فرمائی چنانچہ اولاد علی وفاطمہ میں سے سترہ آدمی جوممتاز حیثیت رکھتے تھے انہیں جمع فرما کر اپنے فرزند حضرت علی رضاعلیہ السلام کی وصایت اورجانشینی کا اعلان فرما دیا اورایک وصیت نامہ تحریراً بھی مکمل فرمایا جس پرمدینہ کے معززین میں سے ساٹھ آدمیوں کی گواہی لکھی گئی یہ اہتمام دوسرے ائمہ کے یہاں نظر نہیں آیا صرف ان خصوصی حالات کی بناء پر جن سے دوسرے ائمہ اپنی وفات کے موقعہ پردوچار نہیں ہونے والے تھے۔

۱۸۳ھ میں حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے قیدخانہ ہارون رشید میں اپنی عمرکاایک بہت بڑاحصہ گزار کر درجہ شہادت حاصل فرمایا' آپ کی وفات کے وقت امام رضاعلیہ السلام کی عمر تیس سال کی تھی والد بزرگوار کی شہادت کے بعد امامت کی ذمہ داریاں آپ کی طرف منتقل ہوگئیں یہ وہ وقت تھاجب کہ بغداد میں ہارون رشید تخت خلافت پر متمکن تھا اوربنی فاطمہ کے لیے حالات بہت ہی ناسازگار تھے۔

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے بعد دس برس تک ہارون رشید کا دور رہا یقیناً وہ امام رضاعلیہ السلام کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح برداشت نہیں کرسکتا تھا جس طرح اس کے پہلے آپ کے والد ماجد کا رہنا اس نے گوارانہیں کیا مگر یا توامام موسی کاظم علیہ السلام کے ساتھ جو طویل مدت تک تشدداور ظلم ہوتارہا اورجس کے نتیجہ میں قیدخانہ ہی کے اندر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اس سے حکومت وقت کی عام بدنامی ہوگئی تھی اور یا واقعی ظالم کو بدسلوکیوں کااحساس اور ضمیر کی طرف سے ملامت کی کیفیت تھی جس کی وجہ سے کھلم کھلا امام رضا علیہ السلام کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی تھی لیکن وقت سے پہلے اس نے امام رضاعلیہ السلام کو ستانے میں کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا حضرت کے عہدہ امامت کوسنبھالتے ہی ہارون رشید نے آپ کا گھر لٹوا دیا' اور عورتوں کے زیوارت تک اتروا لیے تھے۔

آپ کے اخلاق وعادات اورشمائل وخصائل

« آپ کو رضا اس لیے کہتے ہیں کہ آسمان وزمین میں خداوعالم ،رسول اکرم(ص) اورائمہ طاہرین علیہم السلام ،نیزتمام مخالفین وموافقین آپ سے راضی تھے۔

آپ کی نشوونما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے زیرسایہ ہوئی اوراسی مقدس ماحول میں بچپن اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئیں اور ۳۰ برس کی عمرپوری ہوئی اگرچہ آخری چندسال اس مدت کے وہ تھے »

کا لکھنا اس لیے دشوار ہے کہ وہ بے شمار ہیں آپ کثرت سے خیرات کیا کرتے تھے اور اکثر رات کے تاریک پردہ میں استحباب کو ادا فرمایا کرتے تھے موسم گرما میں آپ کا فرش جس پر آپ بیٹھ کر فتوی دیتے یا مسائل بیان کیا کرتے بوریا ہوتا تھا اور سرما میں کمبل آپ کا یہی طرز اس وقت بھی رہا جب آپ ولی عہد حکومت تھے آپ کا لباس گھر میں موٹا ہوتا تھا اور رفع طعن کے لیے باہر آپ اچھا لباس پہنتے تھے ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ حضور اتنا عمدہ لباس کیوں استعمال فرماتے ہیں آپ نے اندر کا پیراہن دکھلا کر فرمایا اچھا لباس دنیا والوں کے لیے اور کمبل کا پیراہن خدا کے لیے ہے۔

آپ کے خادم یاسر کا بیان ہے کہ ہم ایک دن میوہ کھا رہے تھے اور کھانے میں ایسا کرتے تھے کہ ایک پھل سے کچھ کھاتے اور کچھ پھینک دیتے ہمارے اس عمل کو آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا نعمت خدا کو ضائع نہ کرو ٹھیک سے کھاؤ اور جو بچ جائے اسے کسی محتاج کو دے دو' آپ فرمایا کرتے تھے کہ مزدور کی مزدوری پہلے طے کرنا چاہیے کیونکہ چکائی ہوئی اجرت سے زیادہ جو کچھ دیا جائے گا پانے والا اس کو انعام سمجھے گا۔

آل محمد(ص) کے تمام افراد بلندترین علم کے درجے پر قرار دیئے جاتے تھے جسے دوست اور دشمن کو ماننا پڑتا تھا یہ اور بات ہے کہ کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زمانے نے کم موقع دیا اور کسی کو زیادہ' چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اگر کسی کو سب سے زیادہ موقع حاصل ہوا ہے تو وہ حضرت امام رضا علیہ السلام ہیں' جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے اس وقت حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی علی رضا عالم آل محمد علیہم السلام ہیں' اپنے دین مسائل کو ان سے دریافت کر لیا کرو' اور جو کچھ اسے کہیں یاد رکھو' اور پھر حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضہ رسول پر تشریف فرما رہے تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

محمد بن عیسی یقطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان تحریری مسائل کو جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھے گئے تھے اور آپ نے ان کا جواب تحریر فرمایا تھا' اکھٹا کیا تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔

واقعہ شہادت کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے

فرمایا تھا کہ "فما یقتلنی واللہ غیرہ" خدا کی قسم مجھے مأمون کے سواء کوئی اور قتل نہیں کرے گا اور میں صبر کرنے پر مجبور ہوں۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ ہرثمہ بن اعین سے آپ نے اپنی وفات کی تفصیل بتلائی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ انگور اور انار میں مجھے زہر دیا جائے گا۔

علامہ معاصر لکھتے ہیں کہ ایک روز مأمون نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنے گلے سے لگایا اور پاس بٹھا کر ان کی خدمت میں بہترین انگوروں کا ایک طبق رکھا اور اس میں سے ایک خوشا اٹھا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے

کہاابن رسول اللہ یہ انگور نہایت ہی عمدہ ہیں تناول فرمایئے آپ نے یہ کہتے ہوئے انکارفرمایاکہ جنت کے انگوراس سے بہتر ہیں اس نے شدید اصرار کیااور آپ نے اس میں سے تین دانے کھالیے یہ انگور کے دانے زہرآلود تھے انگور کھانے کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے ' مأمون نے پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا جہاں تونے بھیجاہے وہاں جارہاہوں قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد آپ تین دن تک تڑپتے رہے بالآخراپنے اجداد کی طرح درجہ شہادت پر فائز ہوگئے۔

آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام باعجاز تشریف لائے اور نماز جنازہ پڑھائی اور آپ واپس چلے گئے بادشاہ نے بڑی کوشش کی کہ آپ سے ملے مگر نہ مل سکا اس کے بعد آپ کو بمقام طوس محلّہ سناباد میں دفن کردیا گیا جوآج کل مشہد مقدس کے نام سے مشہورہے اور اطراف عالم کے عقیدت مندوں کے حوائج کا مرکز ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب میرا ایک ٹکڑا خراسان میں دفن کیا جائے گا کوئی غم زدہ اس کی زیارت نہیں کرے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے غم کو دور فرما دے گا اور نہ کوئی گناہ گار زیارت کرے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دے گا۔

« انگورنہایت ہی عمدہ ہیں تناول فرمائیے آپ نے یہ کہتے ہوئے انکارفرمایاکہ جنت کے انگوراس سے بہترہیں اس نے شدید اصرارکیااور آپ نے اس میں سے تین دانے کھالیے یہ انگورکے دانے زہرآلودتھے انگورکھانے کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے ، مأمون نے پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا جہاں تونے بھیجاہے وہاں جارہاہوں قیام گاہ پرپہنچنے کے بعد آپ تین دن تک تڑپتے رہے بالآخراپنے اجداد کی طرح درجہ شہادت پر فائز ہوگئے »

روضۂ مبارک پر پہلی حاضری

ڈاکٹر علی کاوسی نژاد
شعبہ اردو، تہران یونیورسٹی

ہزاروں خواہشوں کو اپنے سینے میں لیے ہوئے بالآخر وہ دن آ گیا جو میں کئی برسوں سے اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ میرے لیے یہ ایک ایسی خواہش تھی جو کبھی خواب کی صورت میں نمودار ہوتی تھی لیکن آج دلی کیفیت کچھ اور تھی، خوشی کی انتہا یوں تھی جو میں اپنے پھولے میں نہ سما سکتا۔ سنہ ۱۳۸۶ش کو عید نوروز کی چھٹیوں سے پہلے، تہران یونیورسٹی کی طرف سے ایک زیارتی سفر کا انعقاد کیا گیا جس میں یونیورسٹی کے خواہش رکھنے والے تمام طالبات اور طالب علم شامل تھے۔ اس زیارتی سفر کا تمام انتظام و اہتمام تہران یونیورسٹی نے اپنے ذمے میں لیا تھا۔ تہران سے مشہد تک ہمیں لمبی مسافت بس کے ذریعے طی کرنی پڑتی تھی لیکن دل میں ایسا شور اور ولولہ موجزن تھا کہ مجھے یہ لمبی مسافت لمحوں میں طے ہوئی۔ راستے میں جہاں کہیں تھکان دور کرنے کے لیے فرصت ملتی تو کھانے پینے کا خوب انتظام ہوتا تھا بلکہ یہ ایک طرح سیاحتی و زیارتی سفر تھا جس میں رستے میں موجود شہروں اور قصبوں کی بھی دیکھنے کی فرصت ملتی تھی۔ مشہد الرضا میں داخل ہوتے ہی ایک بہت دلکش منظرہ نادر شاہ کا وہ مجسمہ تھا جو گھوڑے پر سوار، اپنے ہاتھ میں تلوار

لیے ہوئے پہلی تصویر جو میرے ذہن میں مترسم ہوئی نادر شاہ کی فتح ہندوستان تھی جو ہم نے تاریخی کتب میں پڑھی تھی اور آخر کار نادر شاہ کا اپنے غدار سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہونا۔

ہماری بس ایک مہمان خانے کے سامنے روکی اور ہمیں یہ معلوم ہوئی کہ چلو ایک ہفتے کے لیے ٹھکانا بہت اچھا مل گیا۔اس مہمان خانے میں چونکہ طالب علموں کے لیے جگہ کم تھی اس لیے آٹھ آٹھ دس دس لوگوں کو ایک کمرے میں ساتھ رہنا پڑتا تھا اور رات کو سونے میں تھوڑی دقت ہوتی تھی لیکن زیارت کے شوق نے یہ تمام مسائل حل کردئے۔دل میں خوشی کی لہر ڈور رہی تھی ' زیارت کرنے کا شوق دل میں مچل رہا تھا۔ہمارا رہائشگاہ روضہ مبارک سے اتنا دور نہیں تھا اور میں اپنے دوستوں کے ساتھ روضہ مبارک کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے۔دور سے سنہری گنبد کی روشنی رات کی تاریکی میں

دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور ایک ایسی کیفیت مجھ پر طاری ہوئی جیسے میں آسمان میں بادلوں کے درمیان اچل رہا ہوں۔یہ میری زندگی کا وہ لمحہ تھا جو میں بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔یوں لگتا تھا کہ میری ہر خواہش پوری ہونے کو تھی۔جذبے کی انتہا جب انسان پر غالب آتی ہے تو وہ ایک بے خودی سی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے۔دل کی امنگوں اور آرزوؤں کو ساتھ لیے ہوئے جب روضہ ء مبارک کے قریب پر پہنچنے والا تھا تو بے اختیار میری آنکھیں نمناک ہو گئیں جیسے کوئی بچہ کئی برسوں سے اپنی ماں سے جدا ہو گیا ہو اور اب اسے اپنی گمشدہ ماں مل گئی ہو۔دھیرے دھیرے ' میں حرم مطہر کے صحن مبارک میں داخل ہوا رہا تھا اور وہاں زیارت کرنے والوں کی ایک جمع غفیر موجود تھی جو اپنی تمام دکھ درد لیے ہوئے حضرت آقا امام رضا(ع) کے حرم پاک میں حاضر تھے۔عقیدت والوں کی تعداد اتنی تھی جو ہمیں مشکل سے مزار پاک کی زیارت کرنے کا موقع ملا۔وہاں پہنچ کر ہم نے امام رضا(ع) سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور اپنے تمام دکھ درد اپنے آقا سے بیان کرنے کی فرصت مل گئی۔اب مجھے خوب یاد پڑتا ہے ہم محرم الحرام کے مہینے میں مشہد گئے تھے اور شہر بھر میں دوسرے شہروں سے بھی لوگ موجود تھے جو ماتم کرتے ہوئے حرم مطہر میں وارد ہوتے تھے۔راستے میں نذر و نیاز کے لیے پانی اور شربت کی سبیلیں لگی ہوئی تھیں۔ماتم کرنے والے حضرت امام حسین(ع) کا پیغام لے کر آئے تھے۔ان ماتمی دستوں میں آذری بولنے والوں کی تعداد شاید بہ نسبت زیادہ تھی جو دور و دراز راستوں کو طے کرتے ہوئے مشہد میں پہنچ گئے تھے ' یہ آذری لوگ دو زنجیروں سے ماتم کرتے تھے اور ان کا یہ طریقہ مجھے نیا سا لگتا تھا۔سننے میں یہ آ رہی تھی کہ ان آذری لوگوں میں وہ لوگ شامل ہیں جو کئی مدتوں سے مشہد یا اس کے مضافات میں رہائش پذیر ہیں' خراسان میں فارسی کے علاوہ ترکی اور کردی کرمانجی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔اگر تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کرمانجی کرد منگولوں کے حملے سے پہلے سے بھی یہاں رہائش پذیر تھے اور انہوں نے خراسان میں کئی صدیوں پہلے آباد تھے۔اب محرم اور زیارت کا موقع بیک وقت مجھے ملا تھا' میرا معمول بن گیا تھا کہ آدھی کو رات حرم مطہر کی طرف روانہ ہوتا کیونکہ رات کو لوگوں کا اتنا رش نہیں تھا' انسان اپنی تنہائی میں اپنے

رب سے خوب لطف اٹھاتا ہے اور اپنے میں گم بیخودی کے عالم میں ڈوب کر چلا جاتا ہے۔قرآن خوانی کی وہ کیفیت جو مجھے حرم مطہر میں مل گئی تھی میرے لیے بے حد خوشگوار تھی جس کی جتنی تعریف کی جائے تو کم ہے۔حضرت امام رضا(ع) کے حرم پاک میں مجھ پر جو کیفیات گذریں شاید کہ میں عمر بھر نہ بھول پاؤں۔

ہمیں مشہد کے گرد و نواح میں یعنی شہر طوس کا دورہ کرایا گیا۔ہم نے فردوسی طوسی کے مرزا پر حاضری دی اور شہر طوس کی خوب سیر کی۔حضرت امام رضا(ع) کی زیارت کی غرض سے آئے ہوئے ہمیں فردوسی کے مزار پر حاضری دینے کا موقع بھی مل گیا اور دل میں یہ خواہش تھی کہ میں نیشاپور میں جا کے فرید الدین عطار نیشاپوری اور عمر خیام کے مزاروں پر حاضری دے دوں لیکن افسوس کہ یہ موقع کبھی مجھے میسر نہیں ہوا۔صوبہ خراسان صدیوں سے شعر و ادب اور دین و سیاست کا گہوارہ رہا ہے اور اس خطہء ارضی میں بہت سے دانشور ' ادیب' شاعر اور عالمان دین پیدا ہوئے ہیں۔خراسان خاص طور پر مشہد مذہب لحاظ سے اہمیت کا حامل رہا ہے جب یہاں عباسیوں کا دور حکومت رہا حضرت امام رضا(ع) یہاں آکر ماموں عباسی کی سازشوں کے ذریعے امام رضا(ع) کو زہر دیا گیا اور انہیں مشہد الرضا میں سپرد خاک کردیا گیا۔روضہ مبارک پر ہر سال محرم الحرام اور دوسرے اسلامی اعیاد پر حتی کہ عید نوروز پر زیارت کرنے والوں اور عقیدت رکھنے والوں کی تعداد میں بڑی حد تک اضافہ ہوتی ہے اور آج کل رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ رکھنے والوں کو افطاری دینے کی روایت چل پڑی ہے جس میں روزانہ بڑی تعداد میں لوگوں کو افطاری دینے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مشہور

«ہمیں مشہد کے گرد و نواح میں یعنی شہر طوس کا دورہ کرایا گیا۔ہم نے فردوسی طوسی کے مرزا پر حاضری دی اور شہر طوس کی خوب سیر کی۔حضرت امام رضا(ع) کی زیارت کی غرض سے آئے ہوئے ہمیں فردوسی کے مزار پر حاضری دینے کا موقع بھی مل گیا اور دل میں یہ خواہش تھی کہ میں نیشاپور میں جا کے فرید الدین عطار نیشاپوری اور عمر خیام کے مزاروں پر حاضری دے دوں لیکن افسوس کہ یہ موقع کبھی مجھے میسر نہیں ہوا۔صوبہ خراسان صدیوں سے شعر و ادب اور دین و سیاست کا گہوارہ رہا ہے»

اور نامور ایرانی ریسلر محمد رضا تختی نے بین الاقوامی مقابلوں میں جتنے مڈلز جیت لیے تھے امام رضا(ع) سے گہری عقیدت کی وجہ سے یہ مڈلز اپنے آقا کی نذر کیے' آج کل یہ حرم پاک میں واقع میوزیم میں ان کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ دوسرے نوادرات اس میوزیم میں موجود ہیں اور آستان قدس رضوی کی لائبریری میں نادر خطی نسخوں اور کتابوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ایران کے نئے سال شروع ہونے کے ساتھ ہی یہاں خادمین حرم پاک کے ذریعے نقارہ بجتا ہے اور بہت سے عقیدت مند لوگ اپنا نیا سال امام رضا(ع) کے روضہء مبارک کی قربت میں شروع کرتے ہوئے اپنے پروردگار سے اپنے خاندان اور ایرانی قوم کی سلامت و عافیت کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔سال میں ایک بار مزار شریف کی گلاب ناب سے دھلائی جاتی ہے یہ وہ گلاب ہے جو زیادہ تر قمصر کاشان میں بنایا جاتا ہے۔زائرین حرم پاک کی تعداد میں روزبروز اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ رہائشی عمارات اور تفریحی مقامات بنانے کا رجحان بڑھتا چلا جاتا ہے اور مشہد کی رونق میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔پریشان کن بات یہ ہے جو لوگ کئی وجوہات سے مالی استطاعت نہیں رکھتے شاید حرم پاک کی آسانی سے زیارت نہ کر سکیں ۔حکومت اور لوگوں کو چاہیے کہ حرم پاک کے آس پاس ایسے فلاحی اداروں کا بندوبست کریں جو نہ صرف غریب زائرین کی معاونت کریں بلکہ دوسرے اہم فلاحی کاموں میں ایرانی قوم کو شریک کریں۔

امام رضا (ع) کی زیارت سے پہلے اس بندہ عاصی کو ان کی پیاری بہن حضرت فاطمہ معصومہ (س) کی بھی زیارت قم میں نصیب ہوئی تھی۔ جس سال' میں مجھے حضرت امام رضا(ع) کے حرم پاک پر حاضری دینے کی فضیلت نصیب ہوئی ٹھیک وہی سال مجھے پاکستان میں اعلی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے پاکستانی حکومت کی طرف سے تعلیمی وظیفہ مل گیا اور یہ میرے لیے ایک ایسی خوشخبری تھی جسے میں اللہ تعالی کی عنایت سمجھتا ہوں۔ پاکستان میں جا کے یہ انکشاف ہوا کہ شیعہ حضرات کے علاوہ سنیوں میں ایسے بے شمار لوگ ہیں جو امام رضا(ع) کے حرم پاک کی زیارت کرنے کے خواہشمند ہیں ۔پاکستان میں ائمۂ اطہار سے عقیدت مندوں کی کمی نہیں جو ایک بار ایران آئے گا اس کے دل میں یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ امام رضا(ع) کے حرم پاک پر حاضری

دے۔ پاکستان میں ایک ایسی روایت قدیم سے چلی آ رہی ہے کہ صوفیوں اور بزرگان دین کے مزاروں پر لوگ حاضری دیتے وقت چادریں چڑھاتے ہیں اور پھول نچھاور کر دیتے ہیں' یہ ایک ایسی رسم ہے جو پورے برصغیر ہند و پاک میں دیکھنے میں آتی ہے۔داتا گنج بخش ہجویری(رح) کے عرس پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ مزار پر حاضری دیتے ہیں اور غریبوں میں سبیلیں بانٹی جاتی ہیں۔

ضامن آہو حضرت امام رضا(ع) کے مزار پر حاضری دینے کے وہ لمحات ابھی بھی یاد ہیں اور شور و جذبے کی فراوانی نے مجھے اس بات پر اکسایا کہ اپنے دل کے جذبات کا اظہار کروں۔انسان کے اندر مذہب اور دینی اقدار کی حفاظت ہر لمحہ موجود ہے اور امام رضا(ع) کے حرم پاک کا مشہد میں ہونا ہم ایرانیوں کے لیے باعث فخر ہے اور ملت مسلمہ کی عظمت و شان' ان عظیم ہستیوں کی شخصیت اور کردار کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل پیرا ہونا ہے ۔آج کل اسلامی ممالک میں جو بد امنی اور دہشت گردی چل رہی ہے میرے خیال میں شائد ہم نے ان نامور ہستیوں کے بتائے ہوئے اصولوں سے منہ موڑ لیا ہے اور درندہ خو یوروپی اور امریکی ممالک اپنی سیاست سے مشرقی اور اسلامی ممالک کو دھوکا دینے میں مصروف ہیں اور ان کی یہ فریب کاریاں اسلامی ریاستوں کے ہر کونے میں ہمیں نظر آتی ہیں۔اللہ تعالی کے فضل و کرم سے مسلم امہ ہوش میں آئیں اور اپنی عداوتوں کو دور کر کے تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی پروئے جائیں تا کہ ہمیں اپنی آنے والی نسل کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

«پاکستان میں ائمہ، اطہار سے عقیدت مندوں کی کمی نہیں جو ایک بار ایران آئے گا اس کے دل میں یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ امام رضا(ع) کے حرم پاک پر حاضری دے ۔پاکستان میں ایک ایسی روایت قدیم سے چلی آرہی ہے کہ صوفیوں اور بزرگان دین کے مزاروں پر لوگ حاضری دیتے وقت چادریں چڑھاتے ہیں اور پھول نچھاور کر دیتے ہیں ، یہ ایک ایسی رسم ہے جو پورے برصغیر ہند وپاک میں دیکھنے میں آتی ہے ۔داتا گنج بخش ہجویری(رح) کے عرس پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ مزار پر حاضری دیتے ہیں اور غریبوں میں سبیلیں بانٹی جاتی ہیں»

امام رضا علیہ السلام کے علمی کارنامے

سیدہ مصباح فاطمہ

خداوند عالم نے علم کو نور قرار دیا ہے اور شیعہ اثناعشری کے عقائد میں امام معصوم ہوتا ہے اور وہ علم لدنی کا مالک ہوتا ہے ۔تاریخ میں علم ہمیشہ ائمہ اہلبیت کے پاس رہا اور ہر دور کہ غیر شیعہ علما نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ علم کے اصلی وارث اور مالک اہلبیت ع ہی ہیں۔دیگر آئمہ کیطرح امام رضا علیہ السلام بھی علم لدنی کے مالک تھے اور انہوں نے اپنے علم کی برکت سے ہی گمراہوں کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ہمارے تمام ائمہ کا دور اپنے مخصوص حالات سے دوچار تھا اور ائمہ نے بھی انہی حالات کی روشنی میں اپنے عمل و کردار سے انسانیت کو ہدایت کے راستے پر گامزن کیا۔

امام رضا(ع) کے عہد کو ہم علمی غزوات (Academic crusades) کا عہد کہہ سکتے ہیں۔ آپ جب ظاہری امامت پر فائز ہوئے تو اسلام پر علوم باطلہ کی یلغار تھی اور ہر جانب سے اسلام کی حقانیت اور صداقت کو علمی حیثیت سے زیر کرنے کی کوشش جاری تھی۔

امام جعفر صادق(ع) کے بعد امام رضا(ع) کو ترویج علم و دانش کے سب سے زیادہ مواقع ملے۔ امام موسیٰ کاظم(ع) اپنے اہل خاندان اور فرزندوں کو فرماتے تھے کہ '' تمہارے بھائی علی رضا(ع) عالم آل محمد ہیں'' احادیث میں ہر ۳ سال بعد ایک مجدد اسلام کے نمود و شہود کا نشانہ ملتا ہے علامہ ابن اثیر جندی اپنی کتاب جامع الاصول میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا(ع) تیسری صدی ہجری

میں مجدد تھے اور حضرت یعقوب کلینی چوتھی صدی ہجری میں مجدد تھے۔ شاہ عبدالعزیزی محدث دہلوی نے ''تحفہ اثنا عشری'' میں ابن اثیر کا قول نقل کیا ہے۔ امام علی رضا(ع) اہلبیت کے ان اماموں میں سے ہیں جنہوں نے عمومی طور پر اپنی دانش اور علم اور اپنے شاگردوں کی تعلیم وتربیت اور مختلف موقعوں پر کیے جانے والے سوالات اور جوابات ' مباحثات اور علمی مناظروں کے ذریعہ اسلامی فکر کو مالا مال کیا۔ تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی کہ ان ائمہ نے کسی دانشمند سے سبق لیا ہو بلکہ ان کی دانش کا سرچشمہ ان کے جد بزرگوار حضرت آنحضرت تھے جن سے انہوں نے ور اثتاً علم حاصل کیا۔ عیسیٰ یقطینی کا بیان ہے کہ میں نے امام کے تحریری مسائل کے جوابات کو اکٹھا کیا تو ان کی تعداد تقریباً ۱۸۰۰۰ تھی۔ مأمون رشید کا یہ دستور تھا کہ مختلف مذاہب کے علما کو دربار میں امام(ع) کے روبرو بحث کی دعوت دیتا۔ محدثین و مفسرین اور علما جو آپ(ع) کی برابری کا دعویٰ رکھتے تھے وہ بھی ان علمی مباحث میں آپ کے سامنے ادب سے بیٹھتے تھے۔ زہری ' ابن قتیبہ ' سفیانِ ثوری ' عبدالرحمٰن اور عکرمہ نے آپ سے فیض حاصل کیا ان مناظروں کے پیچھے مأمون کے سیاسی مقاصد بھی تھے۔ علمی مباحث سے طبعاً دلچسپی کے باوجود

« ''تحفہ اثنا عشری'' میں ابن اثیر کا قول نقل کیا ہے۔ امام علی رضا(ع) اہلبیت کے ان اماموں میں سے ہیں جنہوں نے عمومی طور پر اپنی دانش اور علم اور اپنے شاگردوں کی تعلیم وتربیت اور مختلف موقعوں پر کیے جانے والے سوالات اور جوابات ، مباحثات اور علمی مناظروں کے ذریعہ اسلامی فکر کو مالامال کیا۔ تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی کہ ان ائمہ نے کسی دانشمند سے سبق لیا ہو بلکہ ان کی دانش کا سرچشمہ ان کے جد بزرگوار حضرت آنحضرت تھے جن سے انہوں نے ور اثتاً علم حاصل کیا »

مأمون یہ نہیں چاہتا تھا کہ ان مناظروں کے ذریعہ امام کی شخصیت، علویوں اور انقلابیوں کی توجہ کا مرکز بن جائے بلکہ اس موقع کی تلاش میں تھا کہ کسی وقت امام(ع) جواب دینے سے عاجز ہو جائیں جو ناممکن تھا بلکہ مأمون کی خواہش کے برعکس یہ مناظرات امام(ع) کے علمی شکوہ وشائستگی اور شیعہ عقیدہ کی برتری منوانے کا ذریعہ بن گئے۔(جواد معینی) امام(ع) کے مناظروں میں ایک قابل ذکر مجلس میں جاثلیق، مسیحی پادریوں کا رئیس، راس الجالوت یہودی دانشمند، ہندو دانشور، پارسی، مجوسی، بدھ اور دیگر مذاہب کے علما بہ یک ساتھ موجود تھے۔ امام(ع) نے ہر عالم سے اس کی اپنی مقدس کتاب کے حوالوں سے اس کی مروجہ زبان میں بحث کی۔ ایک اور مناظرہ خراسانی عالم سلیمان مروزی کے ساتھ ہوا جس میں مسئلہ بداء موضوع بحث تھا۔ علی بن جہم سے مناظرہ میں عصمت پیغمبران پر بحث ہوئی جس میں امام(ع) نے حضرت یوسف، ذالنون اور داؤد علیہ السلام کے واقعات سے اپنی دلائل کو مستحکم کیا۔ المختصر ان مناظروں کے ذریعہ امام(ع) کو جید علما اور فقہا کی موجودگی میں اپنے علم و فضیلت کے اظہار کا موقع ملا جو ان کی حکمت عملی کا ایک جزو تھا۔

تالیفات:

اکثر ائمہ علیہ السلام کی زندگی کے زیادہ تر حصے حکومت وقت کی سختیوں اور پابندیوں سے دوچار رہے۔ امام رضا(ع) کی مدت امامت کے ۲۰ سال میں سے صرف تقریبا ۳ سال ایسے تھے کہ نسبتاً آپ نے ایک بہتر ماحول میں وقت گزارا لیکن یہاں بھی ہمیشہ ایک مسلسل نگرانی (Surveliance) کی فضا موجود تھی، ان کے عقیدتمندوں کا حکومتی عملہ ہمیشہ پیچھا کرتا۔ اس گھٹن کے ماحول کے باوجود مختلف موضوعات پر ائمہ حقہ کے علمی فیوض تک رسائی کی اور ان کو قلمبند کیا جو اب ان ائمہ کی تالیفات کی شکل میں موجود ہے۔ امام رضا(ع) سے منسوب تالیفات کا ایک سرسری ذکر حسب ذیل ہے۔

۱۔ کتاب فقہ رضوی: یہ کتاب دانشمندوں کے درمیان موضوع بحث بنی ہے۔ کچھ علما جن میں مجلسی اول ودوم بحرالعلوم، صاحب حدائق اور شیخ نوری شامل ہیں اس کو معتبر شمار کرتے ہیں۔ یہ امام(ع) سے منسوب احادیث کا مجموعہ ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ شیخ صدوق کے والد کی تالیف ہے جن کا نام علی بن موسیٰ(ع) تھا اور نام کے ساتھ رضا کا اضافہ کاتب کی غلطی شمار کیا گیا۔ بعض اس کو شیخ صدوق کی تالیف قرار دیتے ہیں جنہوں نے روایات کو اسناد کے بغیر جمع کیا۔ آغا مہدی صاحب کے بموجب اس کا فارسی ترجمہ'' فقہ رضوی'' اصل نسخوں کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا جو ممتاز علما کے پاس پائے گئے۔

۲۔ کتاب محض الاسلام: نماز اور دیگر واجبات سے متعلق احکام پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے متعلق عام رائے یہ ہے کہ یہ فتوؤں کا مجموعہ ہے۔ لیکن جواد فضل اللہ کو اس کی سند میں شک ہے۔

۳۔ صحیفۃ الرضا: فقہ کے موضوع پر ہے لیکن اسکا انتساب امام کی طرف ثابت نہیں ہوسکا البتہ مستدرک الوسائل میں اس کو قابل اعتماد قرار دیا گیاہے۔ اسی نام سے ایک اور رسالہ حدیث ''سلسلۃ الذھب ''پر مشتمل ہے جس کا اردو ترجمہ حکیم اکرام رضا نے نول کشور پریس لکھنو سے شائع کروایا ہے۔ (آغا مھدی)

۴۔ امام رضا اور طب: امام رضا کے علمی فیوض میں سب سے اہم رسالہ ذھبیہ یعنی (Golden Treatise) طب کے موضوع پر ہے۔ علم طب سے امام کے خصوصی تعلق کی بظاہر ایک وجہ اس کی ابتدائی ترویج و فروغ میں ملت ایران کا امتیازی کردار ہے۔

ظہور اسلام سے قبل ایران کے صوبہ خوزستان کے جندی شاہ پور کے شفاخانہ کا شمار دنیا میں علم طب کی پہلی یونیورسٹی کے طور پر ہوتا ہے۔ ایران کے مسلمان قابل الذکر علما میں محمد بن ذکریا اور بو علی سینا کا نام لیا جاتا ہے۔ دانشور جو اد فاضل (۱۳) نے اپنی تالیف '' طب اسلامی اور جدید میڈیکل سائنس کے انکشافات'' میں طب سے متعلق معصومین(ع) کے ارشادات کو طب النبی(ص)، طب الصادق اور طب الرضا کے عنوانات کے تحت جمع کیا ہے طب النبی کو علامہ مجلسی نے بحار الانوار کے ۱۴ ویں جلد'' السماالعالم'' میں نقل کیا ہے۔ طب الصادق کی تفصیلات کشف الاحضار، خصال اور بحار میں موجود ہیں۔ طب الرضا کی اساس وہ تفصیلی خط ہے جو امام رضا(ع) نے نیشاپور میں ۲۰۱ھ میں مأمون کو ارسال کیا تھا۔ اس ضمن میں مأمون اور امام کے علاوہ مشہور اطبا یوحنا ابن ماسویہ، جبرئیل بن بختی یشوع، حکیم بن سلمہ کے درمیان '' انسانی جسم اور حفظان صحت کے اصول'' کے موضوع پر تفصیلی بحث ہوئی تھی اس رسالہ میں وہ تمام معلومات موجود ہیں جن پر آج علم طب کی بنیاد ہے مثلاً فزیالوجی، پتھالوجی، اناٹومی، جسم انسانی کا ڈھانچہ، اعصاب اور ان کے وظائف وغیرہ یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ اسلامی طب کی بنیاد اعتدال ہے جو قران کریم کی آیت ''کلو واشر بوا ولا تسر فوا'' (سورہ اعراف) ''کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو'' کی عملی تفسیر ہے۔ اس کے کئی تراجم ہیں اور بے شمار شرحیں لکھی گئی ہیں جو عربی اور فارسی میں ہیں (صادق عارف) لیکن اردو دان طبقہ کے

« امام(ع) کے مناظروں میں ایک قابل ذکر مجلس میں جاثلیق، مسیحی پادریوں کا رئیس، راس الجالوت یہودی دانشمند، ہندو دانشور، پارسی، مجوسی، بدھ اور دیگر مذاہب کے علما بہ یک ساتھ موجود تھے۔ امام(ع) نے ہر عالم سے اس کی اپنی مقدس کتاب کے حوالوں سے اس کی مروجہ زبان میں بحث کی۔ ایک اور مناظرہ خراسانی عالم سلیمان مروزی کے ساتھ ہوا جس میں مسئلہ بداء موضوع بحث تھا۔ علی بن جہم سے مناظرہ میں عصمت پیغمبران پر بحث ہوئی جس میں امام(ع) نے حضرت یوسف، ذالنون اور داؤد علیہ السلام کے واقعات سے اپنی دلائل کو مستحکم کیا»

لیے یہ امر باعث فخر و اطمینان ہے کہ علامہ رشید ترابی ۱۴ نے بھی اپنی تالیف '' طب معصومین '' کے ذریعہ اس ضمن میں قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ اس کتاب میں مختلف امراض کے لیے چہاردہ معصومین(ع) کے تجویز کردہ علاج کو یکجا جمع کیا ہے۔ ایک جامع مقدمہ میں علامہ موصوف نے اپنے خاص انداز میں صحت انسان سے متعلق قرآن کی آیات اور ائمہ کے ارشادات اور تجربات کو قلمبند کیا ہے۔ اس کتاب کے انتساب میں ان کی فکر رسا کے انداز دیکھیے " اے صبح اول یہ دُررِ ارشادات تیرے

ہی گلے کے موتی ہیں مگر زمانے کے ہاتھوں بکھر گئے تھے میں نے ان کو ایک جگہ جمع کیا اور آج تیرے دروازہ پر ان کو تیرے ہی ہاتھوں بیچنے کے لیے آیا ہوں اس کی قیمت یہ ہے کہ تو مجھے دیکھ کر ایک مرتبہ مسکرا دے۔''

امام رضا کے اصحاب اور شاگرد:

امام رضا(ع) کے اصحاب اور شاگرد کی ایک طویل فہرست ہے۔ بطور نمونہ چند کا حوالہ مقصود ہے۔

۱۔ نصر بن قابوس ۲۰ سال تک امام صادق(ع) کے وکیل رہے، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ امام موسیٰ کاظم(ع) اور امام رضا(ع) کی امامت کے نصوص کے شاہد ہیں۔ (وصایت)

۲۔ زکریا بن آدم بن عبداللہ قمی، امام کے مخصوص اصحاب میں سے تھے۔ ان پر اعتماد کا یہ حال تھا کہ امام نے آپ کو اپنی طرف سے سوالات کے جوابات پر مامور کیا تھا۔

۳۔ محمد بن اسماعیل مرد ثقہ اور خاص اصحاب میں سے تھے۔ ان کے مرتبہ کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ علامہ بحرالعلوم طباطبائی کی ولادت کی رات ان کے والد جناب سید مرتضیٰ کے خواب میں امام رضا(ع) کی طرف سے بھیجی ہوئی شمع روشن کی۔

۴۔ اس کے علاوہ حسن بن محبوب السراد الکوفی، حسن بن علی بن زیاد کوفی اور صفوان بن یحییٰ و غیرہ ہیں۔

اس مضموں کا اختتام ایک مشہور مناظرے سے کرتے ہیں۔

مأمون رشید کے عہد میں نصاری کا ایک بہت بڑا عالم ومناظر شہرت عامہ رکھتا تھا جس کا نام "جاثلیق" تھا اس کی عادت تھی کہ متکلمین سے کہا کرتا تھا کہ ہم نبوت عیسی اوران کی کتاب پر متفق ہیں اوراس بات پر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اختلاف ہے توصرف نبوت محمد مصطفیٰ صلعم میں ہے تم ان کی نبوت کا اعتقاد رکھتے ہو اور ہمیں انکار ہے پھر ہم تم ان کی وفات پر متفق ہوگئے ہیں اب ایسی صورت میں کونسی دلیل تمہارے پاس باقی ہے جو ہمارے لیے حجت قرار پائے یہ کلام سن کر اکثر مناظر خاموش ہوجایا کرتے تھے۔

مأمون رشید کے اشارے پر ایک دن وہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے بھی ہم کلام ہوا موقع مناظرہ میں اس نے مذکورہ سوال دھرآتے ہوئے کہا کہ پہلے آپ یہ فرمائیں کہ حضرت عیسی کی نبوت اوران کی کتاب دونوں پر آپ کا ایمان واعتقاد ہے یا نہیں آپ نے ارشاد فرمایا، میں اس عیسی کی نبوت

کایقینا اعتقادر کھتاہوں جس نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ(ص) کی نبوت کی اپنے حوارین کوبشارت دی ہے اوراس کتاب کی تصدیق کرتاہوں جس میں یہ بشارت درج ہے جوعیسائی اس کے معترف نہیں اورجوکتاب اس کی شارح اورمصدق نہیں اس پر میراایمان نہیں ہے یہ جواب سن کرجاثلیق خاموش ہوگیا۔پھر آپ نے ارشادفرمایاکہ اے جاثلیق ہم اس عیسی کوجس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی، نبی برحق جانتے ہیں مگرتم ان کی تنقیص کرتے ہو، اورکہتے ہو کہ وہ نمازروزہ کے پابندنہ تھے جاثلیق نے کہاکہ ہم تویہ نہیں کہتے وہ توہمیشہ قائم اللیل اورصائم النہار رہاکرتے تھے آپ نے فرمایاعیسی توبنابراعتقاد نصاری خود معاذاللہ خداتھے تویہ روزہ اورنمازکس کے لیے کرتے تھے یہ سن کرجاثلیق مبہوت ہوگیااورکوئی جواب نہ دے سکا۔ البتہ یہ کہنے لگاکہ جومردوں کوزندہ کرے جذامی کوشفادے نابینا کوبینا کردے اور پانی پرچلے کیاوہ اس کاسزاوارنہیں کہ اس کی پرستش کی جائے اوراسے معبود سمجھاجائے آپ نے فرمایاالیسع بھی پانی پرچلتے تھے اندھے کوڑی کوشفادیتے تھے اسی طرح حزقیل پیغمبرنے ۳۵ ہزارانسانوں کوساٹھ برس کے بعدزندہ کیا تھا قوم اسرائیل کے بہت سے لوگ طاعون کے خوف سےاپنے گھرچھوڑکرباہرچلے گئے تھے حق تعالی نے ایک ساعت میں سب کومار دیا بہت دنوں کے بعدایک نبی استخوان ہائے بوسیدہ پرگزرے توخداوندتعالی نے ان پروحی نازل کی کہ انہیں آوازدوانہوں نے کہاکہ ائے استخوان بالیہ"استخوان مردہ اٹھ کھڑے ہو وہ سب بحکم خدااٹھ کھڑے ہوئے اسی طرح حضرت ابراہیم کے پرندوں کو زندہ کرنے اورحضرت موسی کے کوہ طور پرلے جانے اوررسول خداکے احیاءِ اموات فرمانے کاحوالہ دے کرفرمایاکہ ان چیزوں پرتورات انجیل اورقرآن مجید کی شہادت موجودہے اگرمردوں کوزندہ کرنے سے انسان خداہوسکتاہے تویہ سب انبیاء بھی خداہونے کے مستحق ہیں یہ سن کروہ چپ ہوگیااوراس نے اسلام قبول کرنے کے سوااورکوئی چارہ نہ دیکھا۔

« حضرت امام رضاعلیہ السلام سے بھی ہم کلام ہواموقع مناظرہ میں اس نے مذکورہ سوال دھرآتے ہوئے کہاکہ پہلے آپ یہ فرمائیں کہ حضرت عیسی کی نبوت اوران کی کتاب دونوں پر آپ کاایمان واعتقادہے یانہیں آپ نے ارشادفرمایا ، میں اس عیسی کی نبوت کایقینا اعتقادرکھتاہوں جس نے ہمارے نبی حضرت محمدمصطفی (ص)کی نبوت کی اپنے حوارین کوبشارت دی ہے اوراس کتاب کی تصدیق کرتاہوں »

خاندان رسالت کے معصوم دہم
(حضرت امام علی رضا علیہ السّلام)

آنا حمیدی

نام و نسب

علی علیہ السّلام نام، رضا علیہ السّلام لقب اور ابوالحسن کنیت، حضرت امام موسی کاظم علیہ السّلام والد بزرگوار تھے اور اس لیے آپ کو پورے نام و لقب کے ساتھ یاد کیا جائے تو امام الحسن علی بن موسیٰ رضا علیہ السّلام کہا جائے گا، والدہ گرامی کی کنیت ام البنین اور لقب طاہرہ تھا، نہایت عبادت گزار بی بی تھیں۔

ولادت

۱۱ ذی القعدہ ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ اس کے تقریباً ایک ماہ قبل ۱۵ شوال کو آپ کے جدِ بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السّلام کی وفات ہو چکی تھی اتنے عظیم حادثہ مصیبت کے بعد جلد ہی اس مقدس مولود کے دنیا میں آجانے سے یقیناً گھرانے میں ایک سکون اور تسلی محسوس کی گئی۔

تربیت

آپ کی نشو نما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے زیر سایہ ہوئی اور اس مقدس ماحول میں بچپنا اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئی اور پینتیس برس کی عمر پوری ہوئی۔ اگرچہ اخری چند سال اس مدت کے وہ تھے جب امام موسیٰ علیہ السّلام کاظم عراق میں قید و ظلم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے مگر اس سے پہلے ۲۸ یا ۲۹ برس آپ کو برابر پدرِ بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

جانشینی

امام موسیٰ کاظم کو معلوم تھا کہ حکومت وقت آپ کو ازادی سے سانس لینے نہ دے گی اور ایسے حالات پیش آجائیں گے کہ آپ کے اخری عمر کے حصے میں اور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر دوستانِ اہلبیت علیہ السّلام کا آپ سے ملنا یا بعد کے لیے رہنما کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جائے گا۔ اس لیے آپ نے انہی ازادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جب کہ آپ مدینہ میں تھے پیروانِ اہلبیت علیہ السّلام کو اپنے بعد ہونے والے امام علیہ السّلام سے

روشناس بنانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ اولاد علی علیہ السّلام و فاطمہ میں سے سترہ آدمی جو ممتاز حیثیت رکھتے تھے جمع فرما کر اپنے فرزند علی رضا علیہ السّلام کی وصیت و جانشینی کا اعلان فرمایا اور ایک وصیت نامہ تحریراً بھی مکمل فرمایا، جس پر مدینہ کے معززین میں سے ساٹھ آدمیوں کی گواہی لکھی گئی، یہ اہتمام دوسرے ائمہ کے یہاں نظر نہیں اتا۔ صرف ان خصوصی حالات کی بناء پر جن سے دوسرے ائمہ اپنی وفات کے موقع پر دوچار نہیں ہونے والے تھے۔

دور امامت

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کی پینتیس برس کی عمر جب آپ کے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی وفات ہوئی اور امامت کی ذمہ داری آپ کی طرف منتقل ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب بغداد میں ہارون رشید تخت خلافت پر تھا اور بنی فاطمہ کے لیے حالات بہت ناساز گار تھے۔ اس ناخوشگوار ماحول میں حضرت علیہ السّلام نے خاموشی کے ساتھ شریعت حقہ کے خدمات انجام دینا شروع کر دیا۔

علمی کمال

آلِ محمد علیہ السّلام کے اس سلسلہ میں ہر فرد حضرت احادیث کی طرف سے بلند ترین علم کے درجہ پر قرار دیا گیا تھا جسے دوست اور دشمن سب کو ماننا پڑتا تھا، یہ اور بات ہے کہ کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زمانے نے کم موقعہ دیا اور کسی کو زیادہ، چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق علیہ السّلام کے بعد اگر کسی کو موقع حاصل ہوا ہے تو وہ امام رضا علیہ السلام ہیں۔ جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے اس وقت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمھارے بھائی علی رضا علیہ السّلام عالمِ آلِ محمد ہیں۔ اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کرلیا کرو اور جو کچھ وہ کہیں اسے یاد رکھو اور پھر حضرت موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی وفات کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضہ رسول پر تشریف فرما تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محمد ابن عیسیٰ القطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے جوابات تحریر کیے تھے اکٹھے کیے تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔

زندگی کے مختلف دور

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے بعد دس برس ہارون کا دور رہا۔ یقیناً وہ امام رضا علیہ السّلام کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح پر برداشت نہیں کر سکتا تھا جس طرح اس کے پہلے آپ کے والد بزرگوار کو رہنا اس نے گوارا نہیں کیا۔ مگر یا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے ساتھ جو طویل مدت تک

« امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمھارے بھائی علی رضا علیہ السّلام عالمِ آلِ محمد ہیں۔ اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کرلیا کرو اور جو کچھ وہ کہیں اسے یاد رکھو اور پھر حضرت موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی وفات کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضہ رسول پر تشریف فرما تھے »

تشدد اور ظلم ہوتا رہا اور جس کے نتیجہ میں قید خانہ ہی کے اندر آپ دنیا سے رخصت ہوگئے اس سے حکومت وقت کی عام بدنامی ہوگئی تھی اور یا واقعی ظالم کو اپنی بد سلوکیوں کا احساس ہوا اور ضمیر کی طرف سے ملامت کی کیفیت تھی جس کی وجہ سے کھلم کھلا امام رضا علیہ السّلام کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی' یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ ایک دن یحییٰ ابن خالد برمکی نے اپنے کے بعد اثر و رسوخ کے بڑھانے کے لیے یہ کہا کہ علی ابن موسیٰ علیہ السّلام بھی اب اپنے باپ کے بعد امامت کے اسی طرح دعویدار ہیں تو ہارون نے جواب دیا کہ جو کچھ ہم نے ان کے باپ کے ساتھ کیا وہی کیا کم ہے جو اب تم چاہتے ہو کہ میں اس نسل ہی کا خاتمہ کروں۔

پھر بھی ہارون رشید کا اہل بیت رسول سے شدید اختلاف اور سادات کے ساتھ جو برتاؤ اب تک تھا اس کی بنا پر عام طور پر سے عمال حکومت یا عام افراد بھی جنھیں حکومت کو راضی رکھنے کی خواہش تھی اہل بیت علیہ السّلام کے ساتھ کوئی اچھا رویّہ رکھنے پر تیار نہیں ہوسکتے تھے' اور نہ امام علیہ السّلام کے پاس ازادی کے ساتھ لوگ استفادہ کے لیے آسکتے تھے نہ حضرت علیہ السّلام کو سچے اسلامی احکام کی اشاعت کے مواقع حاصل تھے۔

ہارون کا اخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں امین اور مأمون کی باہمی رقابتوں سے بہت بے لطفی میں گزرا۔ امین پہلی بیوی سے تھا جو خاندان شاہی سے منصور دوانقی کی پوتی تھی اور اس لیے عرب سردار سب اس کے طرفدار تھے اور مأمون ایک عجمی کنیز کے پیٹ میں سے تھا۔ اس لیے درباد کا عجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا۔ دونوں کی اپس میں رسہ کشی ہارون کے لیے سوہانِ روح بنی رہتی تھی' اس نے اپنے خیال میں اس کا تصفیہ مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوں کردیا کہ دارالسلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصے جیسے شام' مصر' حجاز' یمن وغیرہ محمد امین کے نام کیے گئے اور مشرقی ممالک جیسے ایران' خراسان' ترکستان وغیرہ مأمون کے لیے مقرر کیے گئے مگر یہ تصفیہ تو اس وقت کا رکا ہو سکتا تھا جب دونوں فریق" جیو اور جینے دو" کے اصول پر عمل کرتے ہوتے۔ لیکن جہاں اقتدار کی ہوس کار فرما ہو وہاں اگر بنی عباس کے ہاتھوں بنی فاطمہ کے خلاف ہر طرح کے ظلم و تعدی کی گنجائش پیدا ہوسکتی ہے تو خود بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو بھائی اگر ایک دوسرے کے مد مقابل ہوں تو کیوں نہ ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کاروائیاں کرنے کے لیے تیار نظر آتے۔ اور کیوں نہ ان طاقتوں میں باہم تصادم ہو جب ان میں سے کوئی اس ہمدردی اور ایثار اور خلقِ خدا کی خیر خواہی کا بھی حامل نہیں ہے جسے بنی فاطمہ علیہ السّلام اپنے پیش نظر کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کرلیا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ادھر ہارون کی انکھ بند ہوئی اور ادھر بھائیوں میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد مأمون کو کامیابی ہوئی اور اس کا بھائی ' امین' تلوار کے گھاٹ اتارا دیا گیا اور مأمون کی خلافت تمام بنی عباس کے حدود سلطنت پر قائم ہوگئی۔

ولی عہدی

امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت تو مأمون کے نام سے قائم ہوگئی مگر یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ امین ننھیال کی طرف سے عربی النسل تھا اور مأمون عجمی النسل۔ امین کے قتل ہونے سے عراق کی عرب قوم اور ارکان سلطنت کے دل مأمون کی طرف سے صاف نہیں ہوسکتے تھے بلکہ غم و غصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے۔ دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرف دار تھی اس سے بھی مأمون کو ہر وقت خطرہ لگا ہوا تھا۔ اولاد فاطمہ میں سے بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میں کھڑے ہوتے رہتے تھے وہ خواہ قتل

کردیئے گئے ہوں یا جلاوطن کیے گئے ہوں یاقید رکھے گئے ہوں ان کے بھی موافق ایک جماعت تھی جو اگر حکومت کا کچھ بگاڑ نہ بھی سکتی تب بھی دل ہی دل میں حکومت بنی عباس سے بیزار ضرور تھی۔

ایران میں ابو مسلم خراسانی نے بنی امیہ کے خلاف جو اشتعال پیدا کیا تھا وہ ان مظالم ہی کو یاد دلا کر جو بنی امیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسین علیہ السّلام اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ ہوئے تھے۔ اس سے ایران میں اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا فطری تھا' درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا مگر اتنی مدت میں کچھ نہ کچھ تو ایرانیوں کی انکھیں بھی کھلی ہی ہوں گی کہ ہم سے کیا کہا گیا تھا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کرلیا۔ ممکن ہے کہ ایرانی قوم کے ان رجحانات کا چرچا مأمون کے کانوں تک بھی پہنچا ہو۔ اب جس وقت کہ امین کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیں کرسکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقہ سے بغاوت کا اندیشہ تھا تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کو اپنا بنایا جائے اور چونکہ طرزِ عمل

« کیوں نہ ان طاقتوں میں باہم تصادم ہو جب ان میں سے کوئی اس ہمدردی اور ایثار اورخلقِ خدا کی خیر خواہی کا بھی حامل نہیں ہے جسے بنی فاطمہ علیہ السّلام اپنے پیش نظر کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کرلیا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ادھر ہارون کی انکھ بند ہوئی اور ادھر بھائیوں میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد مأمون کو کامیابی ہوئی اور اس کا بھائی، امین، تلوار کے گھاٹ اتارا دیا گیا»

میں خلوص سمجھا نہیں جا سکتا اور وہ عالمِ طبائع پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ اگر یہ نمایاں ہو جائے کہ وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ مأمون مذہبی حیثیت سے سے اپنی شیعیت اور ولائے اہل بیت علیہ السّلام کے چرچے عوام کے حلقوں میں پھیلائے اور یہ دکھلائے کہ وہ انتہائی نیک نیتی سے اب "حق بحق دار رسید" کے مقولے کو سچا بنانا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں جیسا کہ جناب شیخ صدوق نے تحریر فرمایا ہے اس نے اپنی نذر کی حکایت بھی نشر کی کہ جب امین کا اور میرا مقابلہ تھا اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہو گئی تھی اور خراسان میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور میری مالی حالت بھی ابتر تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا تو اس سخت اور دشوار ماحول میں میں نے خدا سے التجا کی اور منّت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں اور میں خلافت تک پہنچوں تو اس کو اس کے اصلی حقدار یعنی اولادِ فاطمہ میں سے جو اس کا اہل ہو اس تک پہنچادوں۔ اسی نذر کے بعد سے میرے سب کام بننے لگے اور اخر تمام دشمنوں پر مجھے فتح حاصل ہوئی۔

یقینا یہ واقعہ مأمون کی طرف سے اس لیے بیان کیا گیا کہ اس طرزِ عمل خلوص قلب اور حسن نیّت پر مبنی سمجھا جائے۔ یوں تو اہلبیت علیہ السّلام کے جو کھلے ہوئے سخت سے سخت دشمن تھے وہ بھی ان کی حقیقت اور فضیلت سے واقف تھے ہی اور ان کی عظمت کو جانتے تھے مگر شیعیت کے معنیٰ صرف یہ جاننا تو نہیں ہیں بلکہ محبت رکھنا اور اطاعت کرنا ہیں اور مأمون کے طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس دعوائے شیعیت اور محبت اہلبیت علیہ السّلام کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود خود امام علیہ السّلام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ عوام کو اپنی منشاء کے مطابق چلانے کی کوشش کی تھی۔ ولی عہد بننے کے بارے میں آپ کے اختیارات کو بالکل سلب کر دیا گیا اور آپ کو مجبور بنا دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ولی عہدی کی تفویض بھی ایک حاکمانہ تشدد تھا جو اس وقت شیعیت کے بھیس میں امام علیہ السّلام کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

امام علیہ السّلام کا اس ولی عہدی کو قبول کرنا بالکل ایسا ہی تا جیسا ہارون کے حکم سے امام موسیٰ کاظم کا جیل خانہ چلے جانا' اسی لیے جب امام رضا علیہ السّلام مدینہ منورہ سے خراسان کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ کے رنج و صدمہ اور اضطراب کی کوئی حد نہ تھی روضہ رسول سے رخصت کے وقت آپ کا وہی عالم تھا جو حضرت امام حسین علیہ السّلام کا مدینہ

سے روانگی کے موقع پر تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ بیتابانہ روضہ کے اندر جاتے تھے اور نالہ و آہ کے ساتھ امت کی شکایت کرتے ہیں۔ پھر باہر آتے نکل کر گھر جانے کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر دل نہیں مانتا' پھر روضہ سے جاکر لپٹ جاتے ہیں۔ یہی صورت کئی مرتبہ ہوئی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت علیہ السّلام کے قریب گیا تو فرمایا اے محول میں اپنے جد امجد کے روضہ سے بہ جبر جدا کیا جا رہا ہوں۔ اب مجھ کو یہاں واپس انا نصیب نہ ہوگا۔

۲۰۰ھ میں حضرت علیہ السّلام مدینہ منورہ سے خراسان کی طرف روان ہوئے' اہل وعیال اور متعلقین سب مدینہ ہی چھوڑ گئے۔ اس وقت امام محمد تقی علیہ السّلام کی عمر پانچ برس کی تھی۔ آپ بھی مدینہ میں ہی رہے۔ جب حضرت علیہ السّلام مرو پہنچے

جو اس وقت دارالسلطنت تھا تو مأمون نے چند روز ضیافت و تکریم کے مراسم ادا کرنے کے بعد قبول خلافت کا سوال پیش کیا۔ حضرت علیہ السّلام نے اس سے اسی طرح انکار کیا جس طرح امیر المومنین علیہ السّلام چوتھے موقع پر خلافت پیش کیے جانے کے وقت انکار فرما رہے تھے' مأمون کو خلافت سے دست بردار ہونا در حقیقت منظور نہ تھا ورنہ وہ امام علیہ السّلام کو اسی مجبور کرتا۔ چنانچہ جب حضرت علیہ السّلام نے خلافت قبول کرنے سے انکار فرمایا تو اس نے ولی عہدی کا سوال پیش کیا۔ حضرت علیہ السّلام اس کے بھی انجام سے واقف تھے۔ نیز بخوشی جابر حکومت کی طرف سے کوئی منصب قبول کرنا آپ کے مذہبی اصول کے خلاف تھا۔ حضرت علیہ السّلام نے اس سے بھی انکار فرمایا مگر اس پر مأمون کا اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ اس کو منظور نہیں کرسکتے تو آپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جان کا خطرہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو ورنہ حفاظت جان شریعت اسلام کا بنیادی حکم ہے۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا یہ ہے تو مجبوراً قبول کرتا ہوں مگر کاروبار سلطنت میں میں خود دخل نہ دوں گا۔ اس کے بعد یہ ولی عہدی صرف برائے نام سلطنت وقت کے ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی۔ جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک کسی سیاسی مقصد میں کامیابی حاصل ہوگئی ہو۔ مگر امام علیہ السّلام کی حیثیت اپنے فرائض کے انجام دینے میں بالکل وہ تھی جو ان کے پیش رو حضرت علی مرتضی علیہ السّلام اپنے زمانہ کی با اقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کرچکے تھے جس

«میرا مقابلہ تھا اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہوگئی تھی اور خراسان میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور میری مالی حالت بھی ابتر تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا تو اس سخت اور دشوار ماحول میں میں نے خدا سے التجا کی اور منّت مانی»

طرح ان کا کبھی کبھی مشورہ دے دینا ان حکومتوں کو صحیح اور ناجائز نہیں بنا سکتا تھا ویسے ہی امام رضا علیہ السّلام کا اس نوعیت سے ولی عہدی کا قبول فرمانا اس سلطنت کے جواز کا باعث نہیں ہو سکتا تھا' صرف مأمون کیا ایک راج ہٹ تھی جو اس طرح پوری ہوگئی مگر امام علیہ السّلام نے اپنے دامن کو سلطنت ظلم کے اقدامات اور نظم و نسق سے بالکل الگ رکھا۔

بنی عباس مأمون کے اس فیصلے سے قطعاً متفق نہ تھے انہوں نے بہت کچھ دراندازیاں کیں مگر مأمون نے صاف کہہ دیا کہ علی رضا علیہ السّلام سے بہتر کوئی دوسرا شخص تم بتادو اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس سلسلے میں بڑے بڑے مناظرے بھی ہوے مگر ظاہر ہے کہ امام علیہ السّلام کے مقابلہ میں کس کی علمی فوقیت ثابت ہوسکتی تھی' مأمون کا فیصلہ اٹل تھا اور وہ اس سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ اپنے فیصلہ کو بدل دیتا۔

یکم رمضان ۲۰۱ ھ روز پنجشنبہ جلسہ ولی عہدی منعقد ہوا۔ بڑی شان و شوکت اور تزک واحتشام کے ساتھ یہ تقریب عمل میں لائی گئی۔ سب سے پہلے مأمون نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے بعیت کی ۔ پھر اور لوگ بعیت سے شرفیاب ہوئے سونے چاندی کے سکے سر مبارک پر نثار کیے گئے اور تمام ارکانِ سلطنت وملازمین کو انعامات تقسیم ہوئے' مأمون نے حکم دیا کہ حضرت علیہ السّلام کے نام کا سکّہ تیار کیا جائے' چنانچہ درہم و دینار پر حضرت علیہ السّلام کے نام کا نقش ہوا اور تمام قلمرو میں وہ سکّہ چلایا گیا' جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیہ السّلام کا نام داخل کیا گیا۔

اخلاق و اوصاف

مجبوری اور بے بسی کا نام قناعت یا درویشی "عصمت بی بی از بے چادری" کے مقولہ کے موافق اکثر ابنائے دنیا کا شعار رہتا ہے مگر ثروت و اقتدار کے ساتھ فقیرانہ زندگی اختیار کرنا بلند مرتبہ مردانِ خدا کا حصہ ہے۔ اہل بیت معصومین علیہ السّلام میں سے جو بزرگوار ظاہری حیثیت سے اقتدار کے درجہ پر نہ تھے کیوں کہ ان کی فقیری کو دشمن بے بسی پر محمول کرکے طعن و تشنیع پر امادہ ہوتے اور حقّانیت کے وقار کو ٹھیس لگتی مگر جو بزرگ اتفاقات روزگار سے ظاہری اقتدار کے درجہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اتنا ہی فقرا اور سادگی کے مظاہرہ میں اضافہ کردیا تاکہ ان کی زندگی غریب مسلمانوں کی تسلی کا ذریعہ بنے اور ان کے لیے نمونہ عمل ہو جیسے امیر المومنین حضرت علی المرتضی علیہ السّلام چونکہ شہنشاہ اسلام مانے جارہے تھے اس لیے آپ کا لباس اور بعام ویسا زاہدانہ تھا

جس کی مثال دوسرے معصومین علیہ السّلام کے یہاں نہیں ملتی۔ یہی صورت حضرت علی رضا علیہ السّلام کی تھی' آپ مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے ولی عہد بنائے گئے تھے جن کی وسعت مملکت کے سامنے روم و فارس کا ذکر بھی طاقِ نسیان کی نذر ہوگیا تھا۔ جہاں اگر بادل سامنے سے گزرتا تھا تو خلیفہ کی زبان سے آواز بلند ہوتی تھی کہ "جا جہاں تجھے برسنا ہو برس ' بہتر حال تیری پیداواری کا اخراج میرے پاس ہی ائے گا "۔ حضرت امام رضا علیہ السّلام کا اس سلطنت کی ولی عہدی پر فائز ہونا دنیا کے سامنے ایک نمونہ تھا کہ دین والے اگر دنیا کو پاجائیں تو ان کا رویہ کیا ہوگا' یہاں امام رضا علیہ السّلام کو اپنی دینی

ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ضرورت تھی کہ زہد اور ترک دنیا کے مظاہرے اتنے ہی نمایاں تر بنادیں جتنے تنزک و احتشام کے دینی تقاضے زیادہ ہیں چنانچہ تاریخ نے اپنے کو دہرایا اور وہ علی رضا علیہ السّلام کے لباس میں علی المرتضی علیہ السّلام کی سیرت دنیا کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ آپ نے اپنی دولت سرا میں قیمتی قالین بچھوانا پسند نہیں کیے بلکہ جاڑے میں بالوں کا کمبل اور گرمی میں چٹائی کا فرش ہوا کرتا تھا' کھانا سامنے لایا جاتا تو دربان سائیس اور تمام غلاموں کو بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے تھے۔ داب و اداب شاہی کے خوگر ایک بلخی شخص نے ایک دن کہہ دیا کہ حضور اگر ان لوگوں کے کھانے کا انتظام الگ ہو جایا کرے تو کیا حرج ہے؟ حضرت علیہ السّلام نے فرمایا خالق سب کا اللہ ہے۔ ماں سب کی حوّا اور باپ سب کے ادم علیہ السّلام ہیں۔ جزاوسزا ہر ایک کی اس کے عمل کے مطابق ہوگی' پھر دنیا میں تفرقہ کس لیے ہو۔

اسی عباسی سلطنت کے ماحول کا ایک جز و بن کر جہاں صرف پیغمبر کی طرف ایک قرابتداری کی نسبت کے سبب اپنے کو خلق خدا پر حکمرانی کا حقدار بنایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ کبھی اپنے اعمال وافعال پر نظر نہ کی جاتی تھی کہ ہم کیسے ہیں اور ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ بنی عباس ظلم و ستم اور فسق و فجور میں بنی امیہ سے کم نہ رہے بلکہ بعض باتوں میں ان سے آگے بڑھ گئے اور اس کے ساتھ پھر بھی

« مجبوری اور بے بسی کا نام قناعت یا درویشی "عصمت بی بی از بے چادری" کے مقولہ کے موافق اکثر ابنائے دنیا کا شعار رہتا ہے مگر ثروت و اقتدار کے ساتھ فقیرانہ زندگی اختیار کرنا بلند مرتبہ مردانِ خدا کا حصہ ہے۔ اہل بیت معصومین علیہ السّلام میں سے جو بزرگوار ظاہری حیثیت سے اقتدار کے درجہ پر نہ تھے کیوں کہ ان کی فقیری کو دشمن بے بسی پر محمول کرکے طعن وتشنیع پر امادہ ہوتے »

قرابتِ رسول پر افتخار تھا اس ماحول کے اندر داخل ہو کر امام رضا علیہ السّلام کا اس بات پر بڑا زور دینا کہ قرابت کوئی چیز نہیں اصل انسان کا عمل ہے بظاہر صرف ایک شخص کا اظہار فروتنی اور انکسار نفس تھا جو بہر حال ایک اچھی صفت ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے بڑھ کر تقریباً ایک صدی کی عباسی سلطنت کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کے خلاف اسلامی نظریہ کا اعلان تھا اور اس حیثیت سے بڑا اہم ہو گیا تھا کہ وہ اب اسی سلطنت کے ایک رکن کی طرف سے ہو رہا تھا۔ چنانچہ امام رضا علیہ السّلام کی سیرت میں اس کے مختلف شواہد ہیں' ایک شخص نے حضرت علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ "خدا کی قسم اباؤاجداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں۔" حضرت علیہ السّلام نے فرمایا۔" میرے آبا و اجداد کو جو شرف حاصل ہوا ہے وہ صرف تقویٰ' پرہیز گاری اور اطاعتِ خدا سے۔" ایک شخص نے کسی دن کہا کہ۔" واللہ آپ بہترین خلق ہیں۔" حضرت علیہ السّلام نے فرمایا۔" اے شخص حلف نہ اٹھا' جس کا تقویٰ و پرہیز گاری مجھ سے زیادہ ہو وہ مجھ سے افضل ہے"۔

ابراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ حضرت علیہ السّلام فرماتے تھے "میرے تمام لونڈی اور غلام ازاد ہو جائیں اگر اس کے سوا کچھ اور ہو کہ میں اپنے کو محض رسول اللہ کی قرابت کی وجہ سے اس سیاہ رنگ غلام سے بھی افضل نہیں جانتا (حضرت علیہ السّلام نے اشارہ کیا اپنے ایک غلام کی جانب) ہاں جب عملِ خیر بجا لاؤں گا تو اللہ کے نزدیک اس سے افضل ہوں گا"۔

یہ باتیں کوتاہ نظر لوگ صرف ذاتی انکسار پر محمول کر لیتے ہوں مگر خود حکومت عباسیہ کا فرماں روا یقیناً اتنا کند ذہن نہ ہو گا کہ وہ ان تازیانوں کو محسوس نہ کرے جو امام رضا علیہ السّلام کے خاموش افعال اور اس طرح کے اقوال سے اس کے خاندانی نظامِ سلطنت پر برابر لگ رہے تھے۔ اس نے تو بخیال خود ایک وقتی سیاسی مصلحت سے اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے کے لیے حضرت علیہ السّلام کو ولی عہد بنایا تھا مگر بہت جلد اسے محسوس ہوا کہ اگر ان کی زندگی زیادہ عرصہ تک قائم رہی تو عوام کی ذہنیت میں یک لخت انقلاب ہو جائے گا اور عباسی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لیے الٹ جائے گا۔

عزائے حسین علیہ السّلام کی اشاعت

اب امام رضا علیہ السّلام کو تبلیغ حق کے لیے نام حسین علیہ السّلام کی اشاعت کے کام کو ترقی دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہو گیا تھا جس کی بنیاد اس کے پہلے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام اور امام جعفر صادق علیہ السّلام قائم کر چکے تھے مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ امام علیہ السّلام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے جو بحیثیت امام اور بحیثیت عالم دین آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور اب امام رضا علیہ السّلام تو امام روحانی بھی ہیں اور ولی عہد سلطنت بھی۔ اس لیے آپ کے دربار میں حاضر ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہے۔ مرو کا مقام ہے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ ہر طرف کے لوگ یہاں آتے ہیں اور یہاں یہ عالم ہے کہ ادھر محرم کا چاند نکلا اور انکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص کی جانے لگی کہ آلِ محمد کے مصائب کو یاد کرو اور تاثرات غم کو ظاہر کرو۔ یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری باتیں زندہ کی جاتی ہیں اس کا دل مردہ نہ ہو گا۔ اس دن کہ جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔

تذکرہ امام حسین علیہ السّلام کے لیے جو مجمع ہو اس کا نام اصطلاحی طور پر مجلس اسی امام رضا علیہ السّلام کی حدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ آپ نے علمی طور پر خود مجلسیں کرنا شروع کر دیں' جن میں کبھی خود ذاکر ہوئے اور دوسرے سامعین جیسے یان بن شبیب کی حاضری کے موقع پر جو آپ نے مصائب امام حسین علیہ السّلام بیان فرمائے اور کبھی عبداللہ بن ثابت یا دعبل خزاعی

ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکر امام حسین علیہ السّلام میں اشعار پڑھو وہ ذاکر ہوا اور حضرت سامعین میں داخل ہوئے۔

دعبل کو حضرت نے بعد مجلس ایک قیمتی حلّہ بھی مرحمت فرمایا جس کے لینے میں دعبل نے یہ کہہ کر عذر کیا کہ مجھے قیمتی حلّہ کی ضرورت نہیں ہے اپنے جسم کا اترا ہوا لباس مرحمت فرمائے تو حضرت نے ان کی خوشی پوری کی وہ حلّہ تو انھیں دیا ہی تھا اس کے علاوہ ایک جبّہ اپنے پہننے کا بھی مرحمت فرمایا۔ اس سے ذاکر کا بلند طریقہ کار کہ اسے کسی دنیوی انعام کی حاضر یامعاذ اللہ اجرت طے کرکے ذاکری نہیں کرنا چاہیے اور بانی مجلس کا طریقہ کار کہ وہ بغیر طے کیے ہوئے کچھ بطور پیشکش ذاکر کی خدمت میں پیش کرے دونوں امر ثابت ہیں مگر ان مجالس میں سامعین کے اندر کسی حصہ کی تقسیم ہر گز کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں ہوئی۔

وفات

مأمون کی توقعات غلط ثابت ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ اخر امام علیہ السّلام کی جان لینے کے درپے ہوگیا اور وہی خاموش حربہ جوان معصومین علیہ السّلام کے ساتھ اس کے پہلے بہت دفعہ استعمال کیا جاچکا تھا کام میں لایا گیا۔ انگور میں جو بطور تحفہ امام علیہ السّلام کے سامنے پیش کیے گئے تھے زہر دیا گیا اوراس کے اثر سے ۱۷ صفر ۲۰۳ ھ میں حضرت علیہ السّلام نے شہادت پائی۔ مأمون نے بظاہر بہت رنج و ماتم کا اظہار کیا اور بڑے شان وشکوہ کے ساتھ اپنے باپ ہارون رشید کے قریب دفن کیا۔ جہاں مشہد مقدس میں حضرت علیہ السّلام کا روضہ آج تاجدارانِ عالم کی جبیں سائی کا مرکز بناہوا ہے وہیں اپنے وقت کا بزرگ ترین دنیوی شہنشاہ ہارون رشید بھی دفن ہے جس کا نام و نشان تک وہاں جانے والوں کو معلوم نہیں ہوتا۔

«لیکن حقیقت میں وہ اس سے بڑھ کر تقریباً ایک صدی کی عباسی سلطنت کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کے خلاف اسلامی نظریہ کا اعلان تھا اور اس حیثیت سے بڑا اہم ہوگیا تھا کہ وہ اب اسی سلطنت کے ایک رکن کی طرف سے ہورہا تھا ۔ چنانچہ امام رضا علیہ السّلام کی سیرت میں اس کے مختلف شواہد ہیں ، ایک شخص نے حضرت علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ "خدا کی قسم اباؤ اجداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں»

اچھی حکمرانی امام رضا(ع) کی نظر میں

زینب سعیدی - زینب محمودیان دارابی

اسلام میں حکومت اور حاکم کی خاص اہمیت ہے اور یہ معاملہ اس کے احکام میں مرکزی کردار کا حامل ہے۔ دوسرے معنوں میں دین حکومت کے بغیر نامکمل ہے۔ اسی لیے جب نبی اکرم(ص) نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں منصوبہ ہدایت کا آغاز کیا وحی الٰہی اور آپ کے ارشادات میں اسلامی معاشرے کی قیادت اور ولایت کے مسئلے کو بنیادی موضوعات کی حیثیت حاصل رہی۔ نبوی اور علوی اسلوب حکمرانی سے یہ برآمد ہوتا ہے کہ اسلام میں حکمرانی دوسرے مقاصد (جیسے سلامتی کا قیام، جسمانی اور مادی ضروریات کی فراہمی، سماجی اور سیاسی آزادی) کے حصول کے علاوہ دو اور اہم اہداف پر بھی مشتمل ہے:

۱- لوگوں کا اخلاقی اور روحانی کمال

۲- لوگوں کے ذریعہ انصاف قائم کرنا

اب اس مختصر تعارف کے بعد، امام رضا(ع) کے نقطہ نظر سے اچھی حکمرانی کا جائزہ لے کر اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

حکومت کے قیام کا پہلا اور سب سے بنیادی نکتہ اسلامی معاشرے کی قیادت ہے۔ امام رضا(ع) کے ارشادات میں امام اور حکمران کی طرف سے نماز، زکات، حج اور جہاد اور تمام خراج اور صدقات کی فراہم کی جاتی ہے اور سماج میں الٰہی حدود اور احکام کو قائم کر کے سرحدوں کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ آپ کے مطابق اسلامی معاشرے میں امام معصوم کی کمی، نقصان دین اور الٰہی احکام کی تبدیلی کا باعث بن سکتی ہے۔ آپ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ تاریخ میں کوئی ایسی قوم یا گروہ کا سراغ نہیں ملتا جس نے مادی اور روحانی امور کے نگران کے بغیر پائدار اور کامیاب زندگی بسر کی ہو۔

اب یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ حکومت کے منتظم کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں؟ امام رضا(ع) کے طرز حکومت پر نظر ڈالنے سے اس سوال کا جواب واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ کیونکہ آپ نے مأمون عباسی کے دور میں عنان حکومت سنبھالی اور اس وقت معاشرہ بد نظمی اور عدم انتظام کا شکار تھا۔ ایسے حالات میں آپ کو ایک خاص طرز حکومت اختیار کرنا پڑا جسے آج کل انتظام افراتفری کہا جاتا ہے۔

امام اور امت

لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، افسران اور منتظمین حکومت کا ایک اہم فرض ہے۔ ابراہیم ابن عباس کا کہنا ہے: میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ امام رضا(ع) اپنی زبان کے ذریعہ کسی کو ستائیں یا کسی کی بات کو کاٹ لیں اور اگر آپ سے کسی کی حاجت پوری ہو سکتی تھی تو وہ ہرگز انکار نہیں کرتے تھے۔

ماتحتوں کے ساتھ امام کا رویہ

"یاسر" امام(ع) کے نوکر کا کہنا ہے: امام رضا(ع) مکان بھر کے تمام چھوٹے اور بڑے نوکروں کو اپنے ارد گرد جمع کر کے بے تکلفانہ انداز میں ان سے بات چیت کرتے تھے اور وہ بھی آپ سے اپنے آپ کو قریب سمجھتے تھے۔ آپ رات کے کھانے کے وقت چھوٹے بڑے کسی کو نظرانداز نہیں کرتے تھے۔

معاشرے کے انتظام میں خلاف ورزیوں پر امام کا رد عمل

شیخ مفید (علیہ الرحمہ) کہتے ہیں: جب امام رضا(ع) مأمون کے ساتھ اکیلے بیٹھتے تھے، اس کو زیادہ وعظ و نصیحت کرتے تھے اور اللہ تعالی سے ڈرآتے تھے اور اس کی خلاف ورزیوں کی مذمت کرتے تھے، مأمون آپ کے منہ پر کچھ نہیں کہتا مگر وہ

حقیقت میں اپنی غضب کو چھپاتا تھا۔

امام رضا(ع) اور بحران کا انتظام

امام رضا(ع) اپنی ولیعہدی کے قبول کرنے میں مختار نہ تھے اور اس منصب کو اپنے مقدس اہداف کے حصول کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے چنانچہ جب حضرت نے خلافت کے قبول کرنے سے انکارفرمایا مأمون نے ولیعہدی کا سوال پیش کیا اور چونکہ حضرت اس کے انجام سے بخوبی واقف تھے اور جابر حکومت کی طرف سے کسی منصب کو بخوشی قبول کرنا آپ کے خاندانی اصول کے خلاف تھا تو اس سے بھی انکارفرمایا مگراس پرمأمون کا اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ "لابد من قبولک"یعنی قبول کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے اور ساتھ ساتھ امام کو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ اس کو منظور نہیں کریں گے تو آپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جیسا کہ جانتے ہیں حفاظت جان شریعت اسلام کا بنیادی حکم ہے مگر جہاں مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو تو جان کا خطرہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ امام نے مفادات اور مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب میں فرمایا' اگر ایسا ہے تو میں مجبوراً قبول کرتا ہوں مگر حکومت کے امور میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کروں گا۔ لیکن دوسری طرف سے چونکہ امام حکومت وقت کے غلط اقدامات کے سامنے خاموش نہیں رہ سکتے تھے تو آپ کو مأمون کا منصوبہ ناکام بنانے کے لیے ایک خاص رویہ اختیار کرنا پڑا جس کی طرف آگے اشارہ ہوگا۔

اس کے بعد یہ برائے نام ولی عہدی صرف سلطنت وقت کے ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی

«بنیادی نکتہ اسلامی معاشرے کی قیادت ہے۔ امام رضا(ع) کے ارشادات میں (امام اور حکمران کی طرف سے نماز، زکات، حج اور جہاد اور تمام خراج اور صدقات کی فراہم کی جاتی ہے) اورسماج میں الہی حدود اور احکام کو قائم کر کے سرحدوں کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ آپ کے مطابق اسلامی معاشرے میں امام معصوم کی کمی، نقصان دین اور الہی احکام کی تبدیلی کا باعث بن سکتی ہے»

۔ممکن ہے مأمون نے اس کے ذریعے کسی حد تک اپنے سیاسی مقاصد میں کامیابی حاصل کرلی ہو مگر حضرت نے امام کی حیثیت سے اپنے فرایض کی انجام دہی کے سلسلے میں من و عن وہی رویہ اختیا کیا جسے حضرت علی(ع) نے بھی اپنے زمانے کی بااقتدار طاقتوں کے سامنے اپنایا تھاجس طرح حکومتی امور میں حضرت علی(ع) کی کبھی کبھار تجاویز کو ان حکومتوں کے جائز یا ناجائز ہونے کا ثبوت قرار نہیں دیا جاسکتا اسی طرح امام رضاعلیہ السلام کی اس نوعیت کی ولیعہدی بھی اس سلطنت کا جواز شمار نہیں کی جا سکتی ۔ یہ در اصل ایک کھیل تھا جس سے مراد مأمون کی راج ہٹ تھی اورسیاسی اغراض کے پیش نظرامام کی ولیعہدی کی صورت میں سامنے آئی اور امام کو اسلامی معاشرے کی مصلحتوں اور مفادات کی بنیاد پر منظور کرنا پڑا مگر آپ نے اپنے دامن کو سلطنت ظلم کے اقدامات اور نظم ونسق کے امورمیں شمولیت کے نتیجے میں داغدار ہونے سے بچایا۔ امام کی طرف سےاس منصب کو قبول کرنے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ لوگ' ائمہ اطہار اور خاندان پیغمبر کو سیاست کے عرصے میں بھی حاضر و ناظر دیکھیں اور ان کو بھول نہ جائیں۔ امام رضا(ع) مختلف طریقوں سے ماموں کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے کارروائی کرتے تھے' اس سلسلے میں چند ایک مثالیں درج کی جاتی ہیں :

ولیعہدی کو مشروط کرنے سے مأمون کے اہداف کو بگڑنا

مأمون کے خلاف لوگوں کے اذہاں میں شک اور تذبذب پیدا کرنا

مأمون کی خلافت کی عدم مشروعیت کا اعلان

امام(ع) نے ولیعہدی کو قبول کرنے کے لیے یہ شرطیں قائم کیں :

"میں نہ کبھی کسی کو کسی منصب کے لیے مقرر کروں گا نہ ہی کسی منصب سے معزول ۔ ولیعہدی کے دوراں معاشرے کی مروجہ رسومات کو ختم کرنے یا موجودہ صورتحال میں تبدیلی لانے کی کوشش نہیں کروں گا بلکہ محض ایک نگران کی حیثیت سے اپنی تجاویز پیش کروں گا ۔ "

مأمون نے بھی امام کی ان تمام شروط کو منظور کیا اور اس طرح امام نے اپنی شرطوں کے ذریعے مأمون کے تمام اہداف اور اغراض کو بے ثمر کیا۔ امام ہر وقت موکداًاعلان کرتے تھے کہ مأمون نے آپ کو بالاجبار اپنا ولیعہد بنایا ہے اور آپ موت کے خطرے کے پیش نظر اس منصب پر بیٹھے ہیں اور اس کے علاوہ کبھی کبھی لوگوں کو اس حقیقت سے باخبر کرتے تھے کہ مأمون جلد ہی وعدہ خلافی کرے گا اور یہاں تک کہتے تھے کہ مأمون کے بغیر کوئی اور آپ کو مسموم نہیں کرے گا اور مأمون خود ہی آپ کو شہید کرے گا۔

امام رضا(ع) ہر جگہ فرماتے تھے کہ مأمون نے اپنی ولیعہدی کا منصب امام کو سونپنے سے کوئی اہم کام انجام نہیں دیا ہے (صرف ان کے اپنے مسلّم حق کو جنہوں نے بہ غضب غصب کیا تھا' آپ کو واپس کر دیاہے۔) اس طرح دیکھتے ہیں کہ امام رضا(ع) کو اسلامی معاشرے کے مفادات کے تحفظ کے لیے ولیعہدی کا منصب قبول کرنا پڑا ۔ دراصل مأمون امام کو حکومتی امور میں شامل کر کے عوام کے سامنے اپنی حکومت کا جواز پیش کرنا چاہتا تھا مگر امام رضا(ع) ولیعہدی کو مشروط کرنے سے مأمون کی اس سازش کو بے اثر کردیا۔